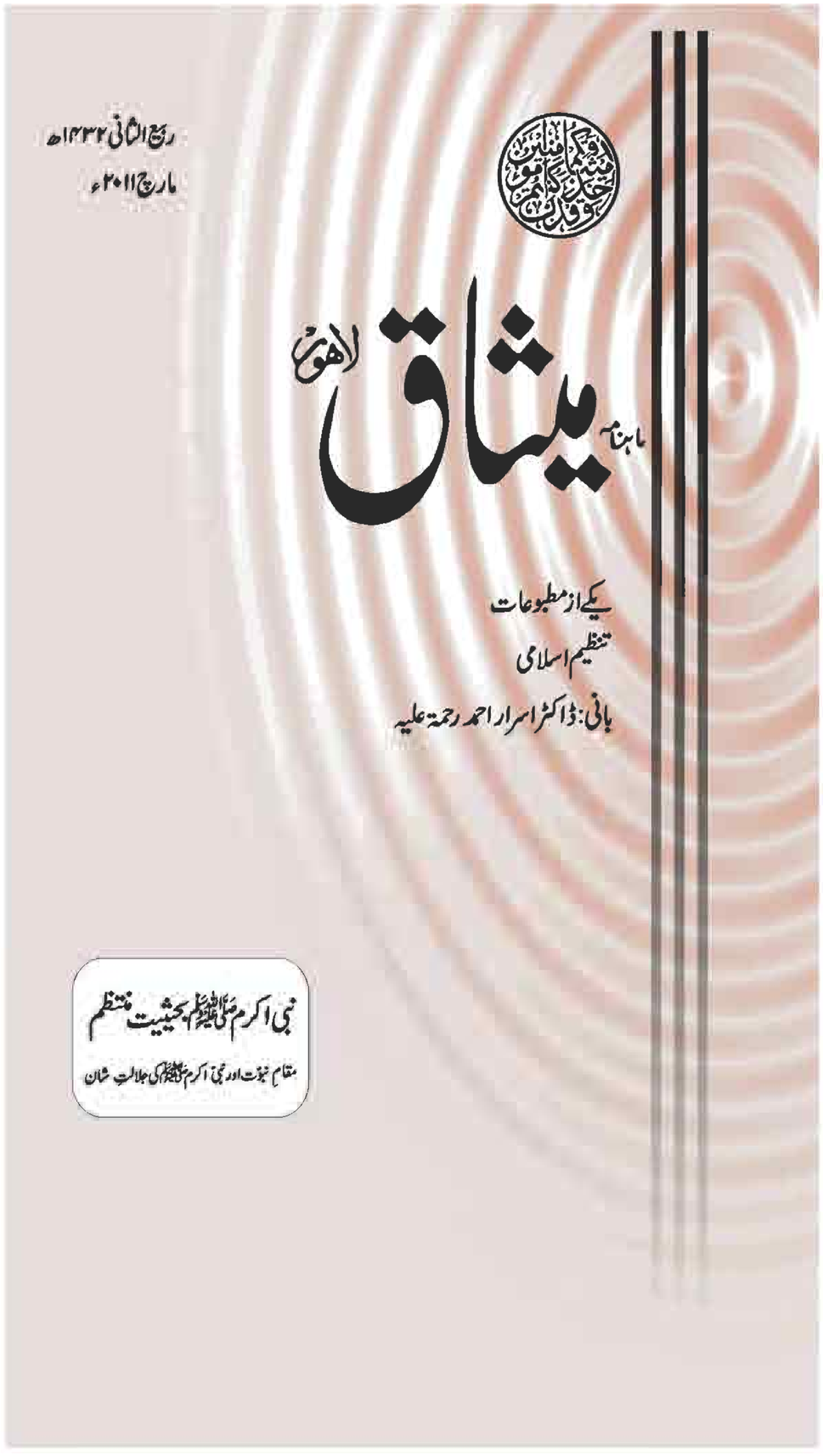

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
مارچ ۲۰۱۱ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ علیہ

نبی اکرم ﷺ بحیثیت منتظم

مقام نبوت اور نبی اکرم ﷺ کی جلالتِ شان

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام دوروزہ

سالانہ محاضرات قرآنی

بعنوان

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی، دینی اور ملی خدمات

ان شاء اللہ العزیز

بتاریخ: 19-20 مارچ 2011ء (بروز ہفتہ۔اتوار)

مقام: قرآن آڈیٹوریم' 191 اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

(بعد نماز مغرب)

متوقع مقررین حضرات:

- ڈاکٹر سید سلمان ندوی — خلف الرشید علامہ سید سلیمان ندویؒ' ڈربن' ساؤتھ افریقہ
- ڈاکٹر صہیب حسن عبدالغفار' — چیئرمین القرآن سوسائٹی' لندن
- ڈاکٹر ممتاز احمد' — صدر' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد
- علامہ ابوعمار زاہد الراشدی' — رئیس التحریر' ماہنامہ الشریعہ
- حافظ عاکف سعید' — امیر تنظیم اسلامی
- ڈاکٹر سہیل عمر' — ناظم اقبال اکیڈمی' لاہور
- ڈاکٹر باسط بلال کوشل' — پروفیسر لمز یونیورسٹی' لاہور
- سلیم منصور خالد' — منصورہ' لاہور
- ڈاکٹر سعد صدیقی' — شعبہ اسلامیات' پنجاب یونیورسٹی
- ڈاکٹر زاہد منیر عامر' — اورینٹل کالج' پنجاب یونیورسٹی — ودیگر مقررین

الداعی: ڈاکٹر ابصار احمد' صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فون: 3-35869501' فیکس: 35834000' ای میل: anjuman@tanzeem.org

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائی ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جلد : 60

شمارہ : 3

ربیع الثانی 1432ھ

مارچ 2011ء

فی شمارہ 25/-

مدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

❁ اندرون ملک	250 روپے
❁ بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
❁ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
❁ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❁ **عرضِ احوال** ——— 3

امریکی ڈرون حملے — آخر کب تک؟ — ایوب بیگ مرزا

❁ **بیانُ القرآن** ——— 5

سورۃ الانعام (آیات ۷۱ تا ۹۴) — ڈاکٹر اسرار احمد

❁ **اُسوہ و سیرت** ——— 25

نبی اکرم ﷺ بحیثیت منتظم — ڈاکٹر اسرار احمد

❁ **نقوشِ سیرت** ——— 33

مقامِ نبوت اور نبی اکرم ﷺ کی جلالتِ شان — عتیق الرحمٰن صدیقی

❁ **منہج سلف** ——— 44

ظالم مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل — سید مناظر احسن گیلانیؒ

❁ **حقیقت دین** ——— 59

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور دُعا — کرن

❁ **حسن معاشرت** ——— 65

☆ نیک والدین اور اولاد — حافظ محمد مشتاق ربانی

☆ نومولود کے حقوق — حافظ محمد زاہد 69

❁ **نقد و نظر** ——— 79

ڈاکٹر یوسف قرضاوی — حافظ محمد زبیر

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

امریکی ڈرون حملے — آخر کب تک؟

فاٹا کی سرزمین ایک ماہ تک ڈرون حملوں سے محفوظ رہی' لیکن اب وہ دوبارہ اپنے باسیوں کے خون سے رنگین ہونا شروع ہوگئی ہے۔ بغیر پائلٹ کے یہ جہاز آگ برساتے ہیں' جس سے مکان' مسجد اور مدرسے سب راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ انسانی جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر فضا میں بکھر جاتے ہیں' جن میں جوان مرد بھی شامل ہیں تو بوڑھے اور معصوم بچے بھی ہیں۔ ایسی خواتین کی لاشیں بھی بے گور وکفن کھلے میدانوں میں پڑی نظر آتی ہیں زندگی میں جنہیں کبھی چشمِ فلک بھی نہ دیکھ پائی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے نام نہاد سیکولر دانشوروں کا ''مہذب'' امریکہ ایک ماہ تک اس وحشیانہ کارروائی اور درندگی سے کیوں رُکا رہا؟ اس دوران وہ ہمارے قبائلی علاقے میں خون کی ہولی کھیلنے سے کیوں باز رہا؟ پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ایک امریکی شہر لاہور میں دو پاکستانیوں کو بے رحمی سے قتل کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اس گرفتاری کے ساتھ ہی امریکہ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ بھول گئی۔ اُسے وزیرستان میں high value target نظر آنا بند ہوگئے۔ دہشت گردی کے خلاف مبینہ جنگ' جس میں ہم نے امریکی خواہش پر ہزاروں فوجی اور سویلین گولہ بارود کی بھٹی میں جھونک دیے تھے' وہ امریکہ کے ایک شہری کی گرفتاری کی وجہ سے غیر اہم ہوگئی۔ امریکہ نے ریمنڈ ڈیوس یعنی اس قاتل کی رہائی کے لیے پاکستان کو ڈرایا' دھمکایا' لالچ بھی دیا اور نرمی و مفاہمت کا تاثر دینے کے لیے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے بھی بند کر دیے۔ جہاں تک ہمارے غلامانہ ذہنیت کے حامل حکمرانوں کا تعلق ہے وہ تو کبھی آقا کے حکم سے سرتابی نہ کرتے اور اس قاتل کو پورے پروٹوکول کے ساتھ امریکہ پہنچا دیتے' لیکن پاکستان کے عوام آڑے آگئے اور حکمرانوں کے راستے کی دیوار بن گئے۔ امریکہ ریمنڈ کی جلد رہائی سے مایوس ہوا تو دوبارہ ڈرون حملوں سے ہمارے قبائلیوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔

افسوس صد افسوس کہ وہ مذہبی اور سیاسی جماعتیں اور وہ عوام جو ریمنڈ ڈیوس کی متوقع رہائی کے خلاف صف آرا ہوگئی تھیں انہوں نے قبائلیوں کے لاشے گرنے پر صدائے احتجاج تک بلند نہ کی۔ یہاں تک کہ جب فاٹا کے ایک رکن قومی اسمبلی نے اسمبلی میں ڈرون حملوں پر احتجاج کیا تو حکومت اور اپوزیشن دونوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ سوال یہ ہے کہ حکومت اور پاکستان کے عوام اہلِ فاٹا

کو کیا پیغام دے رہے ہیں کہ ہمیں تمہارے قتل وغارت کی کوئی فکر نہیں! تمہارا مسلمان ہونا' تمہارا پاکستانی ہونا' یہاں تک کہ تمہارا انسان ہونا ہمارے دل میں کوئی درد پیدا نہیں کرتا!! تمہارا خاک وخون میں مل جانا ہمیں کوئی دکھ نہیں دیتا!! لاہور کے دو شہریوں کے قتل پر ہمارے احتجاج سے ایوانِ اقتدار کے بلند وبالا ستون لرز اٹھے' لیکن تمہارا قتلِ عام ہماری آنکھیں بھی نم نہیں کر سکتا!!

ہم اپنے اہلِ وطن سے دردمندانہ گزارش کریں گے کہ ایسا پیغام ملکی سلامتی اور تحفظ کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمارا یہ رویہ ہماری آخرت برباد کر سکتا ہے۔ ریمنڈ ڈیوس کے حوالے سے امریکیوں اور اپنے حکمرانوں کے عزائم کو خاک میں ملا دینا ثابت کرتا ہے کہ اگر عوام متحد ہوکر میدان میں نکل آئیں تو ان کے راستے کی ہر دیوار ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے۔ آج عرب ممالک کے حالات پر نگاہ ڈالیں' وہاں امریکہ کے کاسہ لیس ظالم اور جابر حکمران عوام کے سیلاب کے سامنے بے بس ہو چکے ہیں۔ قصہ مختصر' گیند عوام کے کورٹ میں ہے۔ اگر ہم فاٹا کو پاکستان کا حصہ سمجھتے ہیں' اگر ہم قبائلیوں کو اپنا مسلمان بھائی سمجھتے ہیں' اگر ناحق بہتا ہوا یہ خون ہمیں دکھ دیتا ہے تو ان ڈرون حملوں کے خلاف ہمیں سینہ تان کر میدان میں نکلنا چاہیے۔ کیا مسلمانانِ پاکستان کو قرآن پاک کی یہ صدا سنائی نہیں دیتی کہ اگر کسی بستی میں مجبور ومقہور مرد' عورتیں اور بچے کفار کے مظالم کا شکار ہوں تو ان کی خاطر اللہ کے راستے میں جنگ کرو! وزیرستان کے یہ مسلمان تو تمہاری اپنی بستی میں ہی بستے ہیں۔ کیا آقائے نامدار نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ نے امتِ مسلمہ کو ایک ایسا جسدِ واحد قرار نہیں دیا تھا جس کے ایک حصہ کی تکلیف اس کے دوسرے حصہ کو بے چین اور مضطرب کر دیتی ہے؟ اے مسلمانانِ پاکستان! اگر تم اللہ کو اپنا خالق ومالک اور اپنا رب مانتے ہو اور اگر عشقِ رسولؐ کے دعویدار ہو تو اللہ اور رسول کی پکار پر اٹھو اور خاندانِ غلاماں کی اس ضمیر فروش حکومت کو مجبور کر دو کہ وہ امریکہ سے کہہ دے کہ بس بس بہت ہو چکی۔ اب ہم اپنے بھائیوں کا مزید خون بہنے نہیں دیں گے۔ اب ڈرون حملے امریکہ کو ختم کرنے ہوں گے۔ یقین کیجیے' باطل ظاہراً بڑا مضبوط اور مستحکم دکھائی دیتا ہے' لیکن وہ کبھی حق کی ضرب برداشت نہیں کر سکتا۔ ضرورت ہے عزمِ صمیم کی اور جرأتِ رندانہ کی جو ایمان کا ثمرہ ہیں۔ آیئے قرآن کو اپنا امام بنا کر اور حضور ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنا کر دشمن کے ان خونی حملوں کے خلاف میدان میں نکلیں' وگرنہ یاد رکھیے ہماری باری بھی آسکتی ہے۔ امریکی سامراج کے منہ کو خونِ مسلم بڑا راس آیا ہے۔ وہ قبائلیوں تک خود کو محدود نہیں رکھے گا۔ جو قوم دشمن کے سامنے سینہ سپر نہ ہو وہ پشت پر وار کھا کر ہلاک ہو جایا کرتی ہے۔ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؏

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس و رباب آخر!

یہی تاریخ کا سبق ہے۔ یہی قضاء وقدر کا فیصلہ ہے۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین ثم آمین!

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الانعام

آیت ۷۱ تا ۸۲

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ
اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۡ لَهٗٓ
اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ
وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ
الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ
وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۙ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ
اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ
نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا
جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ
الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ
يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ
هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾
اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَاۗجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ

اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ
عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ
اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ
بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ۧ

آیت ۷۱ ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ ’’(اے نبی ﷺ ان سے) کہیے کیا ہم پکاریں اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان‘‘

یہ بُت کسی کو کچھ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ خود پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اڑا سکتے۔ ان کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ ان کے سامنے سجدہ کرنے سے کیا حاصل؟ بُتوں کے بارے میں تو یہ بات خیر بہت ہی واضح ہے‘ لیکن ان کے علاوہ بھی پوری کائنات میں کوئی کسی کے لیے خیر کی کچھ قدرت رکھتا ہے نہ شر کی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا مفہوم یہی ہے۔ یہ یقین جب انسان کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح جاگزیں ہو جائے تب ہی توحید مکمل ہوتی ہے‘ جس کے بعد انسان کسی کے آگے سر جھکا کر خواہ مخواہ اپنی عزّتِ نفس کا سودا نہیں کرتا۔ اسی نکتے کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے اس طرح فرمائی تھی: ’’اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اگر دنیا کے تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے‘ اور اگر تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے[1]۔ لہٰذا ’’یک در گیرو محکم بگیر‘‘ کے مصداق مدد کے لیے پکارو تو اُسی ایک اللہ کو پکارو۔ کسی غیر اللہ کو پکارنے‘ کسی دوسرے سے سوال کرنے‘ کسی اور سے ڈرنے‘ التجائیں کرنے‘ استغاثہ کرنے کا کیا فائدہ؟

﴿وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب صفة القیامة والرقائق والورع (قال الترمذی هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ) ۔الاربعین للنووی‘ ح ۱۹۔

الْاَرْضِ حَيْرَانَ﴾ ’’اور ہم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹا دیے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی ہے‘ اُس شخص کی مانند جسے شیاطین نے بیابان میں بھٹکا کر حیران وسرگرداں چھوڑ دیا ہو؟‘‘

﴿لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا﴾ ’’اُس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ آؤ ہماری طرف!‘‘

یہاں جماعتی زندگی کی برکت اور انفرادی زندگی کی قباحت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اگر آپ اکیلے ہوں‘ کہیں بھٹک گئے ہوں‘ تو آپ کے لیے دوبارہ سیدھے راستے پر آنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی میں دوسرے ساتھیوں کے مشورے اور ان کی راہنمائی سے ہر فرد کو اپنی سمت کے سیدھا رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جیسے کہ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾﴾ ’’اے اہلِ ایمان‘ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ساتھ رہو صادقین (سچوں) کے‘‘۔ بعض اوقات انسان بڑی آزمائش میں پھنس جاتا ہے۔ وہ حرام کو حرام سمجھتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کو اختیار کرنا انتہائی تباہ کن ہے۔ دوسری طرف اس کی مجبوریاں ہیں‘ بچوں کی محرومیاں ہیں‘ اہلِ خانہ کا دباؤ ہے۔ ایسی حالت میں اس کے لیے درست فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اس کے حرام میں پڑنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اگر ایسے وقت میں اُس کو نیک دوست احباب کی معیّت حاصل ہو تو وہ نہ صرف اس کو صحیح مشورہ دیتے ہیں بلکہ اُس کا ہاتھ تھام کر سہارا بھی دیتے ہیں۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۷۱﴾﴾ ’’کہہ دیجیے یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے‘ اور ہمیں تو حکم ہوا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری اختیار کریں۔‘‘

آیت ۷۲ ﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴿۷۲﴾﴾ ’’اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔‘‘

آیت ۷۳ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ’’اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں حق کے ساتھ۔‘‘

یعنی یہ زمین وآسمان اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے تحت پیدا کیے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ (آیت ۱۹۱) ’’اے رب ہمارے‘ تو نے یہ سب باطل (بے مقصد) پیدا نہیں کیا‘‘۔ گویا ’’حق‘‘ کا لفظ یہاں ’’باطل‘‘ کے مقابلے میں آیا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴾ ’’اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔‘‘

جب وہ چاہے گا اس کائنات کی بساط کو لپیٹ دے گا۔ اُسی نے اسے حق کے ساتھ بنایا ہے اور اُسی کے حکم کے ساتھ یہ لپیٹ دی جائے گی۔ ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) ’’جس دن ہم (ان تمام خلاؤں‘ فضاؤں اور) آسمانوں کو ایسے لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے‘‘۔ اسی طرح سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ﴾ (آیت ۶۷) ’’اور (اُس روز) آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔‘‘

﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ﴾ ’’اُس کا فرمان ہی حق ہے۔‘‘

اُس کا فرمان شدنی ہے۔ اس کا کُنْ کہہ دینا برحق ہے۔ اسے تخلیق کے لیے کسی اور شے کی ضرورت نہیں‘ مادہ (material) یا توانائی (energy) کچھ بھی اسے درکار نہیں۔

﴿وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ﴾ ’’اور اُسی کے لیے ہوگی بادشاہی جس دن صور پھونکا جائے گا۔‘‘

اگرچہ حقیقت میں تو اب بھی بادشاہی اُسی کی ہے لیکن ابھی جھوٹے سچے کئی بادشاہ ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے ہیں‘ جو مختلف ڈراموں کے مختلف کردار ہیں۔ مگر یہ سب کے سب اُس دن نسیاً منسیا ہو جائیں گے اور پوچھا جائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ﴾ اور پھر جواب میں خود ہی فرمایا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴿۱۶﴾﴾ (المؤمن)

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴿۱۷﴾﴾ ’’وہ تمام غیب اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے‘ اور وہ کمالِ حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔‘‘

اس سورۂ مبارکہ میں اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر ان کی نسل کے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ انبیاء کے ناموں پر مشتمل ایک خوبصورت گلدستہ تو سورۃ النساء کے آخر میں ہم دیکھ آئے ہیں‘ وہاں ہم نے ۱۳ انبیاء ورُسل کے نام پڑھے تھے۔ اب یہاں اس

سے ذرا بڑا گلدستہ سجایا گیا ہے‘ جس میں ۱۷ انبیاء ورسل کے نام شامل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ آپؑ کی قوم کا کیا انجام ہوا‘ اس کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ اسی لیے آپؑ کے معاملے کو یہاں اس سورۃ میں الگ کر لیا گیا ہے‘ کیونکہ اس سورۃ میں صرف التذکیر بِآلاءِ اللّٰہ کی مثالیں ہیں‘ جبکہ سورۃ الاعراف میں ’’ذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ‘‘ کے تحت التذکیر بِاَیّٰمِ اللّٰہ کا ظہور نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح‘ حضرت ھودؑ حضرت صالح‘ حضرت شعیب‘ حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہے۔ یہی وہ چھ رسول ہیں جن کی قوموں پر عذاب آیا اور اُن کو عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ﴾ ’’اور یاد کرو جب کہا تھا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کیا تم نے ان بُتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟‘‘

یہاں پر خصوصی طور پر لفظ ’’آزر‘‘ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے نام کے طور پر آیا ہے‘ یہ میرے نزدیک تورات میں مندرج نام کی نفی کرنے کے لیے آیا ہے۔ تورات میں آپؑ کے والد کا نام ’’تارِخ‘‘ لکھا گیا ہے اور اس کی یہاں تصحیح کی گئی ہے‘ ورنہ یہاں یہ فقرہ لفظ ’’آزر‘‘ کے بغیر بھی کافی تھا۔ اس واضح نشاندہی کے باوجود بھی بعض لوگ مغالطے میں پڑ گئے ہیں اور انہوں نے تورات میں مذکور نام ہی اختیار کیا ہے۔ جیسے اہلِ تشیع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ’تارخ‘ ہی کہتے ہیں اور آزر جس کا ذکر یہاں آیا ہے اس کو آپؑ کا چچا کہتے ہیں۔ انہوں نے یہ موقف کیوں اختیار کیا ہے‘ اس کی ایک خاص وجہ ہے‘ جو پھر کسی موقع پر بیان ہوگی۔

﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ’’میری رائے میں تو آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ’’اور اسی طرح ہم دکھاتے رہے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت‘‘

یہاں ملکوت سے مراد یہ پورا نظام ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ یہ نظام گویا ایک Universal Government ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کارندے اسے چلا رہے ہیں۔ اس نظام کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو کراتا ہے تاکہ ان کا یقین اس درجے کا ہو جائے جیسا کہ آنکھوں دیکھی چیز کے بارے میں ہوتا ہے۔

﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ ’’تاکہ وہ پوری طرح یقین کرنے والوں میں

سے ہو جائے۔‘‘

اس فقرے میں ’’و‘‘ کی وجہ سے ہم اس سے پہلے یہ فقرہ محذوف مانیں گے: ’’تاکہ وہ اپنی قوم پر حجت قائم کر سکے‘ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ’’اور ہو جائے پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے۔‘‘

اب آگے جو تفصیل آ رہی ہے یہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم پر حجت پیش کرنے کا ایک انداز ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے ذہنی ارتقاء کے کچھ مراحل ہیں‘ کہ واقعتاً انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ستارہ میرا خدا ہے۔ پھر جب وہ چھپ گیا تو انہوں نے سمجھا کہ نہیں نہیں یہ تو ڈوب گیا ہے‘ یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ پھر چاند کو دیکھ کر ایسا ہی سمجھا۔ پھر سورج کو دیکھا تو ایسا ہی خیال ان کے دل میں آیا۔ یہ بعض حضرات کی رائے ہے اور ان الفاظ سے ایسا کچھ متبادر بھی ہوتا ہے‘ لیکن اس سلسلے میں زیادہ صحیح رائے یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی طریقہ اختیار کیا۔ آگے آیت ۸۳ کے ان الفاظ سے اس موقف کی تائید بھی ہوتی ہے: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ﴾ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے اور کوئی بھی نبی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اس کی فطرت اور سرشت اتنی خالص ہوتی ہے کہ وہ کبھی شرک میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتا۔ انبیاء کا مرتبہ تو بہت ہی بلند ہے‘ اللہ تعالیٰ نے تو صدیقین کو یہ شان عطا کی ہے کہ وہ بھی شرک میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جو صحابہ کرامؓ میں سے صدّیقین ہیں‘ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا تھا۔

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ﴾ ’’پس جب رات نے انؑ کو (اپنی تاریکی میں) ڈھانپ لیا تو انہوں نے دیکھا ایک (چمکدار) ستارے کو‘ تو کہا یہ میرا رب ہے!‘‘

یہ سوالیہ انداز بھی ہو سکتا ہے‘ گویا کہہ رہے ہو کیا یہ میرا رب ہے؟ اور استعجابیہ انداز بھی ہو سکتا ہے۔ گویا لوگوں کو چونکانے کے لیے ایسے کہا ہو۔

﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ ’’پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

میں اس کو اپنا خدا کیسے مان لوں؟ یہ قوم جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے ستارہ پرست بھی تھی‘ بُت پرست بھی تھی اور شاہ پرست بھی تھی۔ تینوں قسم کے شرک اس قوم میں موجود تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام Babilonia (آج کا عراق) کے شہر ’’اُر‘‘ میں پیدا ہوئے۔ اس شہر کے کھنڈرات بھی اب دریافت ہو چکے ہیں۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے فلسطین گئے‘ وہاں سے حجاز گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کیا۔ جب کہ اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو فلسطین میں آباد کیا۔ اُس وقت عراق میں شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے تھے۔ وہ لوگ بت پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ساتھ نمرود کی پرستش بھی کرتے تھے‘ جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں خدا ہوں۔ نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ محاجّہ (مکالمہ) ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں‘ اس میں اس نے کہا تھا: اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ کہ میں بھی یہ اختیار رکھتا ہوں کہ جس کو چاہوں زندہ رکھوں‘ جس کو چاہوں مار دوں۔

آیت ۷۷ ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ﴾ ’’پھر جب انہوں نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہ ہے میرا ربّ! پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔‘‘

گویا یہ وہ الفاظ ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ شاید ابھی آپؑ کا اپنا ذہنی اور فکری ارتقاء ہو رہا ہے۔ لیکن ان دونوں پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد جو رائے بنتی ہے وہ یہی ہے کہ آپؑ نے اپنی قوم پر حجّت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی انداز اختیار کیا تھا۔

آیت ۷۸ ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ ’’پھر جب دیکھا سورج کو بہت چمکدار تو کہنے لگے ہاں یہ ہے میرا ربّ‘ یہ سب سے بڑا ہے! پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں اعلانِ براءت کرتا ہوں ان سب سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔‘‘

آیت ۷۹ ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ’’میں نے تو اپنا رُخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس

نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

آیت ۸۰ ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ﴾ ’’اب (اس پر) آپؑ کی قوم آپؑ سے بحث کرنے لگی۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپؑ سے حجّت بازی شروع کر دی کہ یہ تم نے کیا کہہ دیا ہے‘ تمام دیوی دیوتاؤں کی نفی کر دی‘ سارے ستاروں اور چاند سورج کی ربوبیت سے انکار کر دیا! اب ان دیوی دیوتاؤں اور ستاروں کی نحوست تم پر پڑے گی۔ اب تم انجام کے لیے تیار ہو جاؤ‘ تمہاری شامت آنے ہی والی ہے۔

﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ﴾ ’’ابراہیمؑ نے کہا کیا تم مجھ سے حجّت بازی کر رہے ہو اللہ کے بارے میں‘ جب کہ مجھے تو اُس نے ہدایت دی ہے۔ اور مجھے کوئی خوف نہیں ہے اُن (ہستیوں) کا جنہیں تم اُس کا شریک ٹھہراتے رہے ہو‘ سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے۔‘‘

ہاں اگر اللہ چاہے کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچے‘ کوئی آزمائش آ جائے تو ٹھیک ہے‘ کیونکہ وہ میرا خالق اور میرا رب ہے‘ لیکن اس کے علاوہ مجھے کسی کا کوئی خوف نہیں‘ نہ تمہاری کسی دیوی کا‘ نہ کسی دیوتا کا‘ نہ کسی ستارے کی نحوست کا اور نہ کسی اور کا۔

﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ’’میرا رب ہر شے کا علم کے اعتبار سے احاطہ کیے ہوئے ہے‘ تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟‘‘

میرے رب کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ تو کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو‘ عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟

آیت ۸۱ ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ﴾ ’’اور میں کیسے ڈروں اُن سے جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیے ہیں جن کے لیے اللہ نے تم پر کوئی سند نہیں اُتاری۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شراکت کی کوئی سند موجود ہی نہیں۔ نہ عقل اور فطرت میں اس کی کوئی بنیاد ہے‘ نہ کسی آسمانی کتاب میں کسی دوسرے معبود کے لیے کوئی گنجائش ہے۔

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ’’تو (ہم دونوں)

فریقین میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو تو (بتاؤ!)‘‘

یعنی ایک شخص موحّد ہے‘ ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ وہ ساری کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک ہے‘ ہر شے اُس کے قبضہ قدرت میں ہے‘ جبکہ دوسرا وہ ہے جو اللہ کو ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے اقتدار و اختیار میں بعض دوسری ہستیوں کو بھی شریک سمجھتا ہے‘ کچھ چھوٹے معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھی مانتا ہے۔ تو اب ذرا بتاؤ کہ امن‘ چین‘ روحانی اطمینان اور حقیقی سکونِ قلب کا زیادہ حق دار ان دونوں میں سے کون ہوگا؟ سوال کرنے کے بعد اس کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا:

آیت ۸۲ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہیں کیا‘‘

یہاں لفظ ’’ظلم‘‘ قابل توجّہ ہے۔ ظلم کسی چھوٹے گناہ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی لیے اس لفظ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے کہ حضور کون شخص ہوگا جس نے کبھی کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ اور نہیں تو انسان اپنے اوپر تو کسی نہ کسی حد تک ظلم کرتا ہی ہے۔ گویا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شخص بھی اس شرط پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں‘ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے‘ اور پھر آپ ﷺ نے سورۂ لقمان کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳﴾۔ چنانچہ یہاں پر ﴿لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان ایسا ہو جو شرک کی ہر آلودگی سے پاک ہو۔ لیکن شرک کا پہچاننا آسان نہیں‘ یہ طرح طرح کے بھیس بدلتا رہتا ہے۔ شرک کیا ہے اور شرک کی قسمیں کون کون سی ہیں اور یہ زمانے اور حالات کے مطابق کیسے کیسے بھیس بدلتا رہتا ہے‘ یہ سب کچھ جاننا ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے‘ تاکہ جس بھیس اور شکل میں بھی یہ نمودار ہو اسے پہچانا جا سکے۔ بقول شاعر:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم!

(تم چاہے کسی بھی رنگ کا لباس پہن کر آ جاؤ‘ میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لیتا ہوں۔)

’’حقیقت و اقسامِ شرک‘‘ کے موضوع پر میری چھ گھنٹوں پر مشتمل طویل تقاریر آڈیو‘ ویڈیو کے علاوہ کتابی شکل میں بھی موجود ہیں‘ اُن سے استفادہ کرنا‘ ان شاء اللہ‘ بہت مفید ہوگا۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۸۲﴾ ’’وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے

اور وہی راہ یاب ہوں گے۔‘‘

امن اور ایمان اسلام اور سلامتی کا لفظی اعتبار سے آپس میں بڑا گہرا ربط ہے۔ یہ ربط اس دعا میں بہت نمایاں ہو جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ ہر نیا چاند دیکھنے پر مانگا کرتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ)) ’’اے اللہ (یہ مہینہ جو شروع ہو رہا ہے اس نئے چاند کے ساتھ) اسے ہم پر طلوع فرما امن اور ایمان‘ سلامتی اور اسلام کے ساتھ‘‘۔ ’’قرآن اور امنِ عالم‘‘ کے نام سے میرا ایک چھوٹا سا کتابچہ اس موضوع پر بڑی مفید معلومات کا حامل ہے۔

آیت ۸۳ تا ۹۰

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۸۳ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴ۙ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶ۙ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰ۧ

آیت ۸۳ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ﴾ ’’یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی تھی اُس کی قوم کے خلاف۔‘‘

اسی آیت کا حوالہ موضوع کے آغاز میں آیا تھا۔ پوری سرگزشت بیان کرنے کے بعد

اب فرمایا کہ یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف عطا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے جس انداز سے محاجہ کر رہے تھے اس کو ''توریہ'' کہتے ہیں۔ توریہ سے مراد ایسا اندازِ گفتگو ہے جس میں جھوٹ بولے بغیر مخاطب کو مغالطے میں مبتلا کر دیا جائے۔ مثلاً حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک زمانے میں انگریز حکومت کی طرف سے ان کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کیے گئے۔ اس زمانے میں وہ مکّہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ شریف حسین والیٔ مکہ کے سپاہی انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے انہیں کہیں کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اُس نے قریب آ کر آپؒ سے پوچھا کہ تم محمود الحسن کو جانتے ہو؟ آپؒ نے کہا جی ہاں' میں جانتا ہوں۔ اس نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ آپؒ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی یہیں تھے۔ اس سے اس سپاہی کو مغالطہ ہوا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے وہاں سے دوڑ پڑا کہ ابھی ادھر تھے تو میں جلدی سے یہیں کہیں سے انہیں ڈھونڈ لوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام میں توریہ کا یہ انداز پایا جاتا ہے۔ جیسے آپؑ نے بُت خانے کے بتوں کو توڑا' اور جس تیشے سے اُن کو توڑا تھا وہ اس بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا۔ پوچھنے پر آپؑ نے جواب دیا کہ اس بڑے بت نے ہی یہ کام دکھایا ہوگا جو صحیح سالم کھڑا ہے اور آلۂ واردات بھی اس کے پاس ہے۔ وہاں بھی یہ انداز اختیار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ سوچنے پر مجبور اور دروں بینی پر آمادہ ہوں۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾﴾ ''ہم بلند کرتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب حکیم اور علیم ہے۔''

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے درجے بہت بلند کیے ہیں۔ اب انبیاء و رسل کے ناموں کا وہ گلدستہ آ رہا ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا تھا۔

آیت ۸۴ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾﴾ ''اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) عطا فرمایا اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا)' ان سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور نوحؑ کو بھی ہم نے ہدایت دی تھی ان سے پہلے' اور اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤدؑ' سلیمانؑ' ایوبؑ' یوسفؑ' موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی (ہدایت بخشی)۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔''

یعنی یہ لوگ ایمان کی اس بلند ترین منزل پر فائز تھے جس کے بارے میں ہم سورۃ المائدۃ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾

آیت ۸۵ ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾﴾ ''اور (اُسی کی اولاد میں سے) زکریاؑ' یحییٰؑ' عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی۔ یہ سب کے سب نیکوکاروں میں سے تھے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾﴾ ''اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی (راہ یاب کیا)' اور ان سب کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔''

آیت ۸۷ ﴿وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾﴾ ''اور ان کے آباء و اجداد میں سے بھی' ان کی نسلوں میں سے بھی اور ان کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے ہدایت یافتہ بنائے)' اور ان کو ہم نے چُن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۸۸ ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''یہ اللہ کی وہ ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ راہنمائی فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ اور اگر (بالفرض) وہ بھی شرک کرتے تو ان کے بھی سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

یہ انداز ہمیں سمجھانے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ شرک کتنی بری شے ہے۔ ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز اللہ کے عظیم الشان انبیاء و رسل شرک میں مبتلا ہوتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک ناقابل معافی جرم ہے' جس کے بارے میں سورۃ النساء میں دو مرتبہ یہ الفاظ آ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶)

آیت ۸۹ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائی۔''

﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾﴾ ''پھر

اگر یہ لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں تو (کچھ پروا نہیں) ہم نے کچھ اور لوگ اس کام کے لیے مقرر کر دیے ہیں جو اس کی ناقدری نہیں کریں گے۔''

مقامِ عبرت ہے! محمد رسول اللہ ﷺ جیسا رسول، مبلغ، داعی، مربّی، مزکّی اور معلّم پچھلے بارہ سال سے دن رات محنت کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں اب تک صرف ڈیڑھ پونے دو سو افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پس منظر میں آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ مکہ کے یہ لوگ اگر اس دعوت کی ناقدری کر رہے ہیں، اس قرآن کی ناشکری کر رہے ہیں، اس کا انکار کر رہے ہیں اور آپؐ کی دس بارہ سال کی محنت کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آئے ہیں تو آپؐ دل شکستہ نہ ہوں، عنقریب ایک دوسری قوم بڑے ذوق وشوق سے اس دعوت پر لبیک کہنے جا رہی ہے۔ اس خوش قسمت قوم سے مراد انصارِ مدینہ ہیں۔ اور واقعی اس سلسلے میں اہلِ مکہ پیچھے رہ گئے اور اہل مدینہ بازی لے گئے۔ بقولِ شاعر: گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا!

دُنیا کے حالات واسباب کو دیکھتے ہوئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ دین کے کام میں کیسے کیسے اسباب پیدا فرماتے ہیں اور کہاں کہاں سے کس کس طرح کے لوگوں کے دلوں کو پھیر کر ہدایت کی توفیق دے دیتے ہیں۔ مجھے اپنی دعوت رجوع الی القرآن کے بارے میں بھی اطمینان ہے کہ پاکستان میں اس کو خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی تو کیا ہوا، یہ دعوت مختلف ذرائع سے پوری دنیا میں پھیل رہی ہے، اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کی یہ انقلابی دعوت کس جگہ زمین کے اندر جڑ پکڑ لے اور ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لے۔

آیت ۹۰ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی، تو آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔''

یعنی ابھی جن انبیاء ورسل کا ذکر ہوا ہے، سترہ ناموں کا خوبصورت گلدستہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے، وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ تھے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔ اس آیت سے ایک بہت اہم نکتہ اور اصول یہ سامنے آتا ہے کہ سابق انبیاء کی شریعت کا ذکر کرتے ہوئے جن احکام کی نفی نہ کی گئی ہو، وہ ہمارے لیے بھی قابلِ اتباع ہیں۔ مثلاً رجم کی سزا قرآن میں مذکور نہیں ہے، یہ سابقہ شریعت کی سزا ہے، جس کو حضور ﷺ نے برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح قتل مرتد کی سزا کا ذکر بھی قرآن میں نہیں ہے، یہ بھی سابقہ شریعت کی سزا ہے، جس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس نکتے سے یہ اصول

سامنے آتا ہے کہ جب تک قرآن وسنت میں سابقہ شریعت کے کسی حکم کی نفی نہیں ہوتی وہ حکم اسلامی شریعت میں برقرار رہتا ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰﴾ ''کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ نہیں ہے مگر تمام جہان والوں کے لیے یاددہانی۔''

یہ قرآن تو بس اہلِ عالم کے لیے ایک نصیحت ہے، یاددہانی ہے، جو چاہے اس سے کسبِ فیض کرے، جو چاہے اس سے نور حاصل کرے، جو چاہے اس سے صراطِ مستقیم کی راہنمائی اخذ کر لے۔

آیات ۹۱ تا ۹۴

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰي وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۹۴

اب اس ردّوقدح کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو مکہ کے لوگ یہودیوں کے سکھانے پڑھانے پر حضور ﷺ سے کر رہے تھے۔ اب تک اس سورۃ میں جو گفتگو ہوئی ہے وہ خالص مکہ کے مشرکین کی طرف سے تھی اور انہی کے ساتھ سارا مکالمہ اور مناظرہ تھا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) مکّی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک حضور ﷺ کی رسالت اور نبوّت کے دعوے کا چرچا مدینہ منوّرہ میں بھی پہنچ چکا تھا اور اہلِ کتاب (یہود) نے خطرے کو بھانپ کر وہیں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں۔ وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں یہاں تک کہہ بیٹھے تھے کہ ان مسلمانوں سے تو یہ مشرک بہتر ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کی ایک بات وہ ہے جو یہاں کہی جا رہی ہے۔

آیت ۹۱ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''اور انہوں نے ہرگز اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ نہیں اتاری ہے اللہ نے کسی بھی انسان پر کوئی بھی چیز۔''

وحی الٰہی کے بارے میں یہ صاف انکار (categorical denial) ان لوگوں کا تھا جو خود کو الہامی کتاب کے وارث سمجھتے تھے۔ اہل مکہ تو چونکہ آسمانی کتابوں سے واقف ہی نہیں تھے اس لیے انہوں نے حضور ﷺ کی نبوت اور وحی کا ذکر یہود سے کیا اور اُن سے رائے پوچھی۔ اس پر یہودیوں کا جواب یہ تھا کہ یہ سب خیال اور وہم ہے' اللہ نے کسی انسان پر کبھی کوئی چیز اتاری ہی نہیں۔ اب اہلِ مکہ نے یہودیوں کے پڑھانے پر قرآن مجید پر جب یہ اعتراض کیا تو اس کے جواب میں مشرکین مکہ سے خطاب نہیں کیا گیا' بلکہ براہِ راست یہود کو مخاطب کیا گیا جن کی طرف سے یہ اعتراض آیا تھا' اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر اللہ نے کسی انسان پر کبھی کچھ نازل ہی نہیں کیا تو:

﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''آپؐ پوچھئے کہ پھر کس نے اُتاری تھی وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے تھے جو خود نور (روشن) تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت بھی تھی؟''

تو کیا تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے من گھڑت تھی؟ کیا انہوں نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا تھا؟

﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ ''تم نے اسے ورق ورق کر دیا ہے' اس (کے احکام) میں سے کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔''

یہود اپنی الہامی کتاب کے ساتھ جو سلوک کرتے رہے تھے وہ بھی انہیں جتلا دیا۔ یہودی علماء نے تورات کے احکام کو نہ صرف پسند اور ناپسند کے خانوں میں تقسیم کر دیا تھا بلکہ اپنی من مانی فتویٰ فروشیوں کے لیے اس کو اس طرح چھپا کر رکھا تھا کہ عام لوگوں کی دسترس اس تک ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔

﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ ''اور تمہیں سکھائی گئی تھیں (تورات کے ذریعے سے) وہ سب باتیں جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء واَجداد۔''

﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ ''کہیے (یہ سب نازل کیا تھا) اللہ نے''

یعنی پھر خود ہی جواب دیجیے کہ تمہاری اپنی الہامی کتابیں تورات اور انجیل بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اب یہ قرآن بھی اللہ ہی نے نازل فرمایا ہے۔

﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ یہ اپنی کج بحثیوں کے اندر کھیلتے رہیں۔''

آیت ۹۲ ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ''اور (اسی طرح کی) یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے' بڑی بابرکت ہے' تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُمّ القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو۔''

قُریٰ جمع ہے قریہ کی اور اُمّ القُریٰ کا مطلب ہے بستیوں کی ماں' یعنی کسی علاقے کا سب سے بڑا شہر۔ ہر ملک میں ایک سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہوتا ہے' اسے دارالخلافہ کہیں یا دارالحکومت۔ وہ بڑا شہر پورے ملک کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ عرب میں اُس وقت کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی جس کا کوئی دارالحکومت ہوتا' لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر مکہ مکرمہ کو پورے عرب میں ایک مرکزی شہر کی حیثیت حاصل تھی۔ خانہ کعبہ کی وجہ سے یہ شہر مذہبی مرکز تھا۔ عرب کے تمام قبائل یہاں حج کے لیے آتے تھے۔ کعبہ ہی کی وجہ سے قریش مکہ کو خطے کی تجارتی سرگرمیوں میں ایک خاص اجارہ داری (monopoly) حاصل تھی۔ چنانچہ اہلِ مکہ

کے ہاں پیسے کی ریل پیل تھی اور عام لوگ خوشحال تھے۔ یہاں تجارتی قافلوں کا آنا جانا سارا سال لگا رہتا تھا۔ یمن سے قافلے چلتے تھے جو مکہ سے ہو کر شام کو جاتے تھے اور شام سے چلتے تھے تو مکہ سے ہو کر یمن کو جاتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر شہر مکہ بجا طور پر علاقے میں ''اُمّ القریٰ'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ہم نے آپؐ کی طرف یہ کتاب مبارک نازل کی ہے تاکہ آپؐ اُمُّ الْقریٰ میں بسنے والوں کو خبردار کریں اور پھر اُن کو بھی جو اس کے اردگرد بستے ہیں۔ یہاں پر وَمَنْ حَوْلَهَا کے الفاظ میں جو فصاحت اور وسعت ہے اسے بھی سمجھ لیں۔ ''ماحول'' کا دائرہ بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک دائرہ تو بالکل قریبی اور immediate ہوتا ہے' پھر اس سے باہر ذرا زیادہ فاصلے پر' اور پھر اس سے باہر مزید فاصلے پر۔ یہ دائرہ پھیلتے پھیلتے پورے کرۂ ارض پر محیط ہو جائے گا۔ اگر دورِ نبوی میں کرۂ ارض کی آبادی کو دیکھا جائے تو اُس وقت براعظم ایک لحاظ سے تین ہی تھے' ایشیا' یورپ اور افریقہ۔ امریکہ بہت بعد میں دریافت ہوا ہے جبکہ آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا بھی معلوم دنیا کا حصہ نہ تھے۔ دُنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو ایشیا' یورپ اور افریقہ تینوں براعظم جہاں پر مل رہے ہیں' تقریباً یہ علاقہ وہ ہے جسے اب ''مڈل ایسٹ'' یا مشرقِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ نام (مڈل ایسٹ) اس علاقے کے لیے misnomer ہے' یعنی درست نام نہیں ہے' لیکن بہرحال یہ علاقہ ایک نقطۂ اتصال ہے جہاں ایشیا' یورپ اور افریقہ آپس میں مل رہے ہیں اور اس جنکشن پر یہ جزیرہ نمائے عرب واقع ہے۔ یہ علاقہ اس اعتبار سے پوری دنیا کے لیے بھی ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ مَنْ حَوْلَهَا کے دائرے میں پوری دنیا شامل سمجھی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ''اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس (قرآن) پر بھی ایمان لے آئیں گے''

یعنی قرآن کے مخاطب لوگوں میں سے کچھ تو مشرک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بعث بعد الموت کے سرے سے ہی منکر ہیں' لیکن جن لوگوں کے دلوں میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اللہ کے سامنے جوابدہ ہونے کا ذرا سا بھی تصوّر موجود ہے وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اشارہ صالحین اہل کتاب کی طرف ہے۔

﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ ''اور وہی اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

آیت ۹۳ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ ''اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے کوئی بات گھڑ کر اللہ سے منسوب کر دی یا (اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے جب کہ اس پر کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو''

کوئی بات خود گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دینا یا یہ کہنا کہ مجھ پر کوئی شے وحی کی گئی ہے یہ دونوں شناعت کے اعتبار سے برابر کے گناہ ہیں۔ تو اے اہل مکہ! ذرا غور تو کرو کہ محمد ﷺ جنہوں نے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کی ہے کیا آپؐ کی سیرت و کردار' آپؐ کی زندگی میں تم کوئی ایسا پہلو دیکھتے ہو کہ آپؐ اتنے بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں؟ اور ان دو باتوں کے ساتھ ایک تیسری بات:

﴿وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور جو کہے کہ میں بھی اتار سکتا ہوں جیسا کلام اللہ نے اُتارا ہے۔''

وہ لوگ اگرچہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس کلام کی نظیر پیش کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں' پھر بھی زبان سے الفاظ کہہ دینے کی حد تک کسی نے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے زبان دانی کا دعویٰ کرنے والے ماہرین' شعراء اور ادباء سمیت اس معاشرے کے تمام لوگوں کو ایک بار نہیں' بار بار یہ چیلنج کیا کہ تم سب سر جوڑ کر بیٹھ جاؤ اور اس جیسا کلام بنا کر دکھاؤ' لیکن کسی میں بھی اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور کاش تم دیکھ سکتے جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ آگے بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) کہ نکالو اپنی جانیں۔''

﴿اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ''آج تمہیں ذلّت کا عذاب دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم کہتے رہے تھے اللہ کی طرف منسوب کر کے ناحق باتیں اور جو تم اللہ کی آیات سے متکبّرانہ اعراض کرتے رہے تھے۔''

آیت ۹۴ ﴿وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ﴾ ’’(پھر ان سے کہا جائے گا) اور اب آ گئے ہونا! ہمارے پاس اکیلے اکیلے‘ جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ‘‘

یعنی آج اپنے تمام لاؤ لشکر‘ مال و متاع اور خدم و حشم سب کچھ پیچھے چھوڑ آئے ہو‘ آج کوئی بھی‘ کچھ بھی تمہاری مدد کے لیے تمہارے ساتھ نہیں۔ یہی بات سورۂ مریم میں اس طرح کہی گئی ہے: ﴿وَکُلُّھُمۡ اٰتِیۡهِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا﴾ کہ قیامت کے دن ہر شخص کا محاسبہ انفرادی حیثیت میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے اس کے لیے ہر کوئی اکیلا کھڑا ہوگا‘ نہ کسی کے رشتہ دار ساتھ ہوں گے‘ نہ ماں باپ‘ نہ اولاد‘ نہ بیوی‘ نہ بیوی کے ساتھ اس کا شوہر‘ نہ ساز و سامان نہ خدم و حشم!

یہاں ایک اور اہم بات نوٹ کیجیے کہ خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ کا مطلب ہے کہ انسان کی تخلیق دو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک تخلیق عالم اَرواح میں ہوئی تھی‘ وہاں بھی سب اکیلے اکیلے تھے‘ نہ کسی کا باپ ساتھ تھا نہ کسی کی ماں۔ تب ارواح کے مابین کوئی رشتہ داری بھی نہیں تھی۔ یہ رشتہ داریاں تو بعد میں عالمِ خلق میں آ کر ہوئی ہیں۔ آیت زیر نظر میں عالم ارواح کی اِسی تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ عالمِ ارواح کے اُس اجتماع میں بنی نوعِ انسان کے ہر فرد نے وہ عہد کیا تھا جسے ’’عہد الست‘‘ کہا جاتا ہے۔ جب پروردگارِ عالم نے اولادِ آدم کی ارواح سے سوال کیا: ﴿اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ﴾ ’’کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟‘‘ تو سب نے جواب دیا: ﴿بَلٰی﴾ (الاعراف:۱۷۲) ’’کیوں نہیں!‘‘ عالمِ ارواح کے اجتماع اور روزِ محشر کے اجتماع میں ایک لحاظ سے فرق ہے اور ایک لحاظ سے مشابہت۔ فرق یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں مجرد اَرواح کی شمولیت ہوئی تھی‘ اُس وقت تک انسانوں کو جسم عطا نہیں ہوئے تھے‘ جب کہ روزِ محشر کے اجتماع میں یہ دنیاوی اجسام بھی ساتھ ہوں گے۔ ان اجتماعات میں مشابہت یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ان کی نسل کے آخری انسان تک سب کی ارواح موجود تھیں اور قیامت کے دن بھی یہ سب کے سب انسان اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے۔

﴿وَتَرَکۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰکُمۡ وَرَآءَ ظُھُوۡرِکُمۡ﴾ ’’اور تم چھوڑ آئے ہو اپنے پیچھے وہ سب کچھ جس میں ہم نے تمہیں لپیٹ دیا تھا۔‘‘

وہ کون سی چیزیں ہیں جن میں یہاں ہمیں لپیٹ دیا گیا ہے‘ اس پر غور کی ضرورت ہے۔ اصل چیز تو انسان کی روح ہے۔ اس روح کے لیے پہلا غلاف یہ جسم ہے‘ پھر اس غلاف کے

اوپر کپڑوں کا غلاف ہے‘ کپڑوں کے اوپر پھر مکان کا غلاف اور پھر دیگر اشیائے ضرورت۔ اس طرح روح کے لیے جسم اور جسم کی ضروریات کے لیے تمام مادّی اشیاء یعنی اس دنیا کا ساز و سامان سب کچھ اس میں شامل ہے۔ ہماری روح درحقیقت ان مادی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ قیامت کے دن ارشاد ہوگا کہ آج تم ہمارے پاس اکیلے حاضر ہوئے ہو اور دنیا کی تمام چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

﴿وَمَا نَرٰی مَعَکُمۡ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّھُمۡ فِیۡکُمۡ شُرَکٰٓؤُا﴾ ’’اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔‘‘

ان مجرم لوگوں کو جن جن کے بارے میں بھی زعم تھا کہ وہ ان کے لیے قیامت کے دِن شفاعت کریں گے وہ سب وہاں اُن سے اعلانِ براءت کر دیں گے۔ لات‘ منات‘ عزیٰ اور دوسرے معبودانِ باطل تو کسی شمار و قطار ہی میں نہیں ہوں گے‘ اس سلسلے میں انبیاء کرام علیہم السلام‘ ملائکہ اور اولیاء اللہ سے لگائی گئی اِن کی امیدیں بھی اُس روز بر نہیں آئیں گی۔

﴿لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ﴾ ’’اب تمہارے مابین سارے رشتے ٹوٹ چکے‘‘

﴿وَضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ﴾ ’’اور وہ سب چیزیں تم سے گم ہو گئیں جن کا تم زعم کیا کرتے تھے۔‘‘

آج اُن ہستیوں میں سے کوئی تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا جن کی سفارش کی امید کے سہارے پر تم حرام خوریاں کیا کرتے تھے۔

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت‘ اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 40 روپے　　اشاعت عام: 15 روپے

نبی اکرم ﷺ بحیثیت منتظم

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

احمدہٗ واصلی علٰی رسولہ الکریم ٗ اما بعد:
اعوذ باللّٰہ مِنَ الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف ایک نبی ہی نہیں ''خاتم النبیّین'' ہیں اور صرف ایک رسول ہی نہیں ''آخرالمرسلین'' ہیں۔ اس طرح جہاں نفسِ نبوت آنحضور ﷺ اور جملہ انبیاء و رسل کے مابین' ایک قدرِ مشترک ہے' وہاں ختمِ نبوت آپؐ کا وہ امتیازی وصف ہے جس میں کوئی دوسرا نبی یا رسول آپؐ کا شریک و ہمسر نہیں۔ گویا اس اعتبار سے آپؐ کی مبارک شخصیت میں اللہ تعالیٰ کی شانِ یکتائی کا ایک پرتو بتمام وکمال موجود ہے۔ مزید برآں آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر نبوت ختم ہی نہیں ہوئی مرتبۂ اتمام و اکمال کو بھی پہنچی ہے اور آپؐ کی ذاتِ والا صفات پر رسالت کا سلسلہ منقطع ہی نہیں ہوا درجۂ تکمیل کو بھی پہنچا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلہ کا اظہار و اعلان کہ آپؐ پر نورِ نبوت و رسالت کا اتمام و اکمال بھی ہو کر رہے گا اور نعمت شریعت و ہدایت کی تکمیل بھی' زبانِ وحی سے بار بار ہوتا رہا۔ جیسے سورۃ الصّف میں فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ ''اللہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔ اور سورۃ التوبہ میں فرمایا: ﴿وَیَاۡبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَہٗ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اللہ کو ہرگز منظور نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا خواہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں''۔ اور اس پر آخری مہر تصدیق ثبت کر دی اس آیۂ مبارکہ نے جو عین حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی: ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ﴾

(المائدۃ:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا''۔ فَلَہُ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّۃ!!

اب اس پر غور فرمائیے کہ نفسِ نبوت اور ختمِ نبوت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور بنابریں آپؐ کی شخصیت کے دو پہلو ہیں:

(۱) نفسِ نبوّت کی رعایت سے آپ ﷺ شاہد بھی تھے اور بشیر و نذیر بھی' بفحوائے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۴۵﴾﴾ (الاحزاب) داعی بھی تھے اور مبلّغ و مذکّر بھی اور معلّم بھی تھے اور مربّی و مزکّی بھی۔ اور اس اعتبار سے آپ ﷺ کی عظمت کا مظہرِ اتم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو آپ کی دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کے ذریعے تیار ہوئے جنہیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جن سے بہتر یا افضل کوئی جماعت اس زمین کی پشت پر اور اس آسمان کے نیچے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی' رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُمۡ وَاَرۡضَاہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ!

(۲) اِتمام و اکمالِ نبوت و رسالت کے مقاصد کی تکمیل کے اعتبار سے آپ ﷺ نسل آدم کے عظیم ترین انقلابی رہنما' ہمہ گیر ترین اسلامی تحریک کے قائد' پاکیزہ ترین معاشرے اور عمدہ ترین تہذیب و ثقافت کے مؤسّس' بہترین نظامِ حکومت کے بانی اور عدل و انصاف کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی نظامِ معیشت کے قائم کرنے والے ہیں —— اور ان تمام حیثیتوں سے آپ ﷺ کے کمالات کا مظہر جامع وہ نظامِ حیات ہے جو آپؐ نے نوعِ انسانی کو صرف نظری طور پر ہی عنایت نہیں فرمایا بلکہ اپنی بہترین عملی و انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسے ایک وسیع و عریض خطۂ ارضی پر بالفعل قائم فرما دیا اور اس طرح اس کا ایک کامل نمونہ عملاً پیش کر دیا تاکہ نوعِ انسانی پر ہمیشہ ہمیش کے لیے اللہ کی حجّت بالغہ قائم ہو جائے اور محاسبۂ اُخروی کے موقع پر انسان یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اپنے اُلجھے ہوئے عمرانی عقدوں اور پیچ در پیچ سیاسی و معاشی مسائل کا کوئی متوازن اور معتدل حل دیا ہی نہیں گیا۔

یہ بات بادنیٰ تامّل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اگرچہ آنحضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقدّم الذّکر پہلو کے اعتبار سے بھی حکمتِ تامّہ کی بھی ضرورت تھی اور بصیرتِ کاملہ کی بھی'

بالخصوص نفسیاتِ انسانی کا گہرا فہم تو اس کے ضمن میں لازمی و لابدی اہمیت کا حامل ہے‘ لیکن بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مؤخر الذکر پہلو تو ان سے بھی بڑھ کر اجتماعیاتِ انسانی کے ضمن میں گہری بصیرت اور اعلیٰ ترین انتظامی صلاحیتوں کا متقاضی تھا‘ جن کے بغیر اس میدان میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا‘ کجا یہ کہ کامیابی کے آخری مراحل سے ہمکنار ہوا جا سکے! اور واقعہ یہ ہے کہ سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ پہلو اس درجہ روشن و تابناک ہے کہ اَغیار و اَعداء کو بھی اپنی تمام تر کور چشمی اور بد باطنی کے باوصف پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا رہا ہے! چنانچہ ایچ جی ویلز ہو یا سر ولیم میور اور ٹائن بی ہو یا پروفیسر منٹگمری واٹ سب نے آنحضور ﷺ کے حسن تدبر و معاملہ فہمی‘ دور اندیشی و پیش بینی اور حسنِ تدبیر و حسنِ انتظام کو بھرپور خراج تحسین ادا کیا ہے۔ اگرچہ یہ سعادت تو صرف دورِ حاضر کے ایک امریکی مصنف مائیکل ہارٹ کے حصے میں آنے والی تھی کہ وہ آنحضور ﷺ کی عظمت کے دونوں پہلوؤں کو مساوی طور پر خراج تحسین ادا کرتا‘ بایں طور کہ اس نے اپنی تصنیف ’’THE 100‘‘ یعنی ’’نسلِ انسانی کے سو عظیم ترین افراد‘‘ میں سرفہرست رکھا ہے آنحضور ﷺ کو اس دلیل کے ساتھ کہ:

"He was the only man in history who was supermely successful on both the religious and secular levels"

یعنی آپ ﷺ دینی و روحانی اور دنیوی و سیاسی جملہ اعتبارات سے نسل انسانی کے کامیاب ترین فرد ہیں! واضح رہے کہ ان آراء کا تذکرہ صرف اس عربی مقولے کے پیش نظر کیا جا رہا ہے کہ ’’الفضلُ مَا شهِدَتْ به الاعداءُ‘‘ یعنی اصل فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن دیں‘ ورنہ نہ ان لوگوں کے یہ اقوال ہمارے لیے کسی بھی درجے میں سند ہیں‘ نہ آنحضور ﷺ کی عظمت کسی درجے میں ان کی محتاج ہے۔ الغرض آنحضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مؤخر الذکر تکمیلی و اتمامی پہلو میں آپؐ کی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بتمام و کمال ہوا۔

مثل مشہور ہے ’’ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات‘‘ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت و شخصیت میں بھی تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کا ظہور شروع ہی سے ہو گیا تھا۔ تجارت اور

کاروبار کے ضمن میں ان کا اظہار جس شان و شوکت سے ہوا وہ تو اظہر من الشمس ہے ہی‘ اس لیے کہ یہ اسی کی بنا پر ہوا کہ ایک جانب قوم نے آپ ﷺ کو ’’الصادق‘‘ اور ’’الامین‘‘ کا خطاب دیا اور دوسری جانب آپؐ ہی کی طرح قوم سے ’’الطاهره‘‘ کے خطاب کی صورت میں اپنی پاک دامنی اور حسن اخلاق کا لوہا منوا لینے والی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی طرف سے پیغامِ نکاح موصول ہوا۔ تجارت کے علاوہ دوسرے قومی معاملات میں بھی قبل از آغازِ وحی آپ ﷺ کے حسنِ تدبیر اور حسنِ انتظام کی اعلیٰ صلاحیتوں کا ظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ مثلاً یہ کہ ’’حلف الفضول‘‘ کے ذریعے آپ ﷺ نے قوم کے ایسے صالح نوجوانوں کو منظم کرنے کی سعی فرمائی جو ظالم کا ہاتھ روکنے اور مظلوم کی مدد کرنے کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کا حلف اٹھائیں اور کعبے کی تعمیرِ نو کے دوران حجر اسود کو نصب کرنے کے موقع پر جس خون خرابے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا وہ صرف آپؐ کے حسن تدبر و حسن انتظام کی بدولت ٹل سکا۔

آغازِ وحی کے بعد سے ہجرت تک کے زمانے میں اگرچہ مجموعی طور پر آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے بعض دوسرے پہلو جو دعوت و تبلیغ اور تزکیہ و تربیت سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے زیادہ نمایاں رہے‘ تاہم اس دوران میں بھی ایک جانب تو حسن انتظام کا ظہور دعوت و تبلیغ کے لیے اختیار کیے جانے والے طریقوں اور ذریعوں کے ضمن میں ہوتا رہا‘ جیسے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء) ’’خبردار کیجیے اپنے قریبی عزیزوں کو‘‘ کے حکم ربانی پر عمل کے سلسلے میں دو بار دعوتِ طعام کا اہتمام اور ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ (الحجر:۹۴) ’’اب ڈنکے کی چوٹ کہیے جس کا حکم آپ کو دیا گیا ہے!‘‘ کے حکم خداوندی کے ضمن میں قوم کو جمع کرنے کے لیے عمدہ ترین انتظامی تدبیر یعنی کوہِ صفا پر چڑھ کر ’’واصباحاه‘‘ کا نعرہ لگانا! وَقِسْ عَلٰى ذٰلِك —— اور دوسری طرف اسی دعوتی و تبلیغی سرگرمی کے بالکل متوازی اور پہلو بہ پہلو آپ ﷺ کی تنظیمی استعداد بھی بھرپور طور پر مسلسل بروئے کار رہی‘ جس کے نتیجے میں آپؐ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے جو انسانی مواد یعنی ’’human material‘‘ جمع کیا اُس نے بدھ مت کے بھکشوؤں کے مانند

فقیروں اور درویشوں کے ایک انبوہ کے بجائے ''اعلاءِ کلمۃ اللہ'' اور ''اظہارِ دین حق'' کے لیے جان لڑا دینے والوں کی ایک ایسی منظّم جماعت کی صورت اختیار کی جس نے مدنی دور میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾ (الصّف) ''اللہ تو محبت کرتا ہے ان سے جو اس کی راہ میں جنگ کریں ایسی صفیں باندھ کر گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں!'' کی عملی تفسیر بن کر دکھا دیا۔ یہ تنظیم ظاہر ہے کہ کسی ایسے ناظم یا منتظم کے بغیر ممکن نہیں ہے جس میں تنظیمی و انتظامی صلاحیتیں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہوں —— اور یہ ناظم اور منتظم ظاہر ہے کہ آنحضور ﷺ ہی تھے!

حیاتِ طیبہ کے مکی دور کے وسط میں تعذیب و تشدّد (persecution) کے شدت اختیار کرنے پر اہلِ ایمان کو ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت بھی آپ ﷺ کے حسن انتظام کا شاہکار ہے۔ اور پھر ہجرتِ مدینہ منورہ کے موقع پر بھی اس عظیم نقلِ مکانی کو اس طور سے منظّم کرنا کہ جماعت المسلمین کے اکثر افراد کو اپنے سامنے مدینہ روانہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے آخر میں رختِ سفر باندھا جس کے نتیجے میں سفر ہجرت نے ایک منظّم نقل و حرکت کی صورت اختیار کر لی نہ کہ کسی بھگدڑ یا فرار کی —— یہ پوری صورت حال بھی بلاشبہ ایک عظیم تنظیمی و انتظامی استعداد کی مظہر اتم ہے!

رہا مدنی دور تو اس کے بارے میں تو کچھ عرض کرنا بلاشبہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے' اس لیے کہ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان دس سالوں کے دوران آنحضور ﷺ کے حسن تدبر و معاملہ فہمی' دور اندیشی و پیش بینی' ترتیب و تنظیم اور انتظام و انصرام کے ایک دو نہیں سینکڑوں اور ہزاروں مظاہر سامنے آتے ہیں جن پر مؤرخین اور محققین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں' بڑے سے بڑے مدبّر و سیاستدان دنگ رہ جاتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ ناظم اور منتظم حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ ایک فردِ واحد میں اور اتنے محاسن و کمالات کا اجتماع' ہر جہت اور ہر پہلو سے حسنِ تدبیر و تدبّر اور حسنِ تنظیم و انتظام کا مظہر اتم۔ پھر لطف یہ کہ حیاتِ انسانی کے کسی ایک ایسے گوشے کا تعیّن ممکن

ہی نہیں جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس میں آنحضور ﷺ کے حسن انتظام کا ظہور دوسرے گوشوں سے زیادہ ہوا ہے۔ گویا بات صدفی صد وہی ہے کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا ست!

مسلمانوں کا جو اجتماعی نظام نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا اور اس میں نظم و تنظیم کو جو اہمیت آپؐ نے دی' اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ آپؐ نے عبادات کے نظام کو بھی ایک اجتماعی نظم کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ نماز کے بارے میں شدید تاکید فرما دی کہ اسے باجماعت ادا کیا جائے' خواہ سفر ہو خواہ حضر اسے کسی صورت ترک نہ کیا جائے۔ چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ نقل فرمائی کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ))

''جب سفر میں تین آدمی ہوں تو ان میں سے ایک کو لازماً امیر بنا لیا جائے۔''

اور دوسری روایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ اَوْ بَدْوٍ وَلَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ اِلَّا وَقَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ، فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ))

''اگر کسی بستی یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور پھر وہ نماز باجماعت کا نظام قائم نہ کریں تو ان پر شیطان لازماً مسلّط ہو کر رہے گا۔ سنو! جماعت سے وابستہ رہو' اس لیے کہ بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ ہونے والی بھیڑ کو ضرور ہڑپ کر جاتا ہے!''

پھر اس نماز باجماعت میں آنحضور ﷺ کا ذوق ترتیب و تنظیم اسے برداشت نہ کر سکتا تھا کہ صف ٹیڑھی ہو' اس لیے کہ صفوں کی کجی بھی جذب اندرون کے فقدان کی غمازی کرتی ہے' لہٰذا تکبیر تحریمہ سے قبل آپ ﷺ کی نوائے شیریں بلاناغہ بلند ہوتی تھی:

((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ))

''اپنی صفوں کو سیدھا کرو' اس لیے کہ صفوں کو سیدھا کرنا بھی اقامت صلوٰۃ کے آداب میں سے ہے!''

مسلمانوں کی حیاتِ ملی کے اس اساسی اور بنیادی شعبے یعنی عبادت میں‘ جس میں بالعموم اجتماعیت پر انفرادیت مقدم رہتی ہے‘ نبی اکرم ﷺ نے نظم و تنظیم کو اس درجہ اہمیت دی ہے‘ تو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حیاتِ اجتماعی کے دوسرے شعبوں میں انتظام و انصرام کا عالم کیا ہوگا! ع ’’قیاس کن ز گلستانِ من بهار مرا!‘‘

مدینہ منورہ کی چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست کا چارج سنبھالنے کے فوراً بعد معاشرے کی تنظیمِ نو اور دفاعی انتظامات کا جو اہتمام رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ملی و ملکی سطح پر حکومت و ریاست کے معاملات کے ضمن میں آپؐ کے حسن انتظام کی نہایت اعلیٰ مثال ہے۔ چنانچہ ایک جانب آپؐ نے یہود سے معاہدے کر کے مدینے کے دفاع کا انتظام فرمایا اور دوسری جانب مہاجرین اور انصار میں مؤاخات یعنی بھائی چارے کے ذریعے معاشرے کی تنظیم نو کا اہتمام کیا اور یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ان دونوں معاملات میں ادنیٰ سی چوک یا ذرا سی تاخیر بھی آئندہ حالات و واقعات کے رخ کو بالکل بدل کر رکھ سکتی تھی۔ اور کسی بھی مدبر یا منتظم کے لیے وقت کے تقاضوں کو بروقت سمجھ کر ان کے لیے مناسب انتظام کر لینے ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے!

مدنی دور کے ابتدائی آٹھ سالوں کے اکثر و بیشتر حصے کے دوران مسلح تصادم کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے ضمن میں بھی جہاں آنحضور ﷺ کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے شاہکار مسلسل سامنے آتے ہیں اور آپؐ کی حکمت حربی‘ مہارتِ جنگ اور سپہ سالارانہ صلاحیتوں کا اظہار ایسے پُرشکوہ انداز میں ہوتا ہے کہ دوست دشمن سب مرحبا کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں وہاں فوجوں کی ترتیب و تنظیم‘ رسد کا اہتمام و انصرام‘ چھاپہ مار دستوں کی برموقع ترسیل اور دشمن کی ہر ممکن چال کو ناکام بنانے کے لیے پیش بندی کے ضمن میں آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا ظہور بھی بتمام وکمال ہوتا رہا۔ تاآنکہ ۸ ھ میں فتح مکہ اور معرکۂ حنین کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو عرب پر فیصلہ کن غلبہ عطا فرما دیا اور اطراف و اکنافِ عرب سے تمام قبائل کے وفود نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لی‘ گویا ﴿وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲﴾ (النصر) کا سماں بندھ گیا تب آپؐ کی انتظامی صلاحیتیں پورے طور پر بروئے کار آئیں اور پورے جزیرہ نمائے عرب میں وہ نظام قائم ہوا جس کی داغ بیل تو آنحضور ﷺ نے بنفس نفیس اپنی حیاتِ دُنیوی کے آخری دو سالوں کے دوران ڈال دی تھی لیکن جس پر نظامِ اسلامی کا قصرِ عظیم اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ دورانِ خلافت راشدہ تعمیر ہوا۔

اس انتظام و انصرامِ مملکت اسلامی کے ضمن میں وُلاۃ و عُمال کا تقرر بھی شامل تھا‘ ائمہ و مؤذّنین کی تقرری بھی شامل تھی‘ محصلینِ زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی بھی تھی‘ جنگوں کا انسداد بھی تھا‘ غیر قوموں سے گفت و شنید و صلح و مصالحت کے معاملات بھی تھے‘ انسدادِ جرائم اور اقامتِ حدود و اجرائے تعزیرات کا نظام بھی تھا۔ حُکّام و عُمّال اور محصلینِ زکوٰۃ و جزیہ کی خبر گیری اور احتساب کا سلسلہ بھی تھا اور ان سب کے ساتھ ساتھ تھا قیامِ حکومت اسلامی کا اصل اور اوّلین مقصد یعنی تبلیغ و دعوتِ دین‘ تربیت و اصلاحِ عوام اور تعلیم و تلقین شریعت!! اور یہ سب کچھ تو تھا اندرونِ ملک عرب‘ اس پر مستزاد تھیں آنحضور ﷺ کی بعثتِ عمومی ﴿اِلٰی کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ (سبا:۲۸) کی ذمہ داریوں کے ذیل میں آپؐ کی مصروفیات‘ یعنی تحریر دعوت نامہ ہائے مبارک اور ترسیل وفوڈ اور چونکہ ان کے ضمن میں آغاز ہو گیا سلطنتِ روما کے ساتھ عسکری تصادم کا‘ لہٰذا ترتیب و تنظیمِ جیوش‘ جس کے ضمن میں اولاً پیش آیا غزوۂ مُوتہ‘ ثانیاً سفر تبوک اور ثالثاً تیار ہوا جیشِ اُسامہ‘ جو روانگی کے لیے تیار ہی تھا کہ آنحضور ﷺ نے اس جہانِ فانی سے کوچ کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرمالی۔ **فصلی اللّٰہ علیہ وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا وفداہ آباؤنا وامھاتنا!**

عقلیں دنگ ہیں کہ آنحضور ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری دو سال کتنی متنوع اور گوناگوں مصروفیات میں بسر کیے اور پھر یہ کہ آج تک کوئی نہیں کہہ سکا کہ فلاں معاملے میں انتظامی اعتبار سے آنحضور ﷺ سے کسی غلطی کا صدور ہو گیا تھا۔ ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝۴﴾ (الملک) ’’ذرا نظر دوڑاؤ تو‘ کوئی خامی نظر آتی ہے؟ پھر بار بار اچھی طرح دیکھو تمہاری نگاہ تھک ہار کر واپس آجائے گی اور کسی پہلو سے کسی غلطی کی نشاندہی تم نہ کر سکو گے!‘‘

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العَالَمین ○○

مقامِ نبوّت اور نبی اکرم ﷺ کی جلالتِ شان

عتیق الرحمٰن صدیقی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف منصبِ خلافت پر متمکّن فرمایا بلکہ اسے نبوت کے فیضان سے بھی نوازا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تاکہ وہ اپنی نسل کو سیدھی راہ پر گامزن کریں۔ گویا انسان کی تخلیق ہی مقصود نہ تھی بلکہ اس کی رہنمائی بھی مطلوب تھی تاکہ وہ اندھیروں میں بھٹکتا نہ پھرے' بندہ اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس راستے کی پیروی کرے جو اس کے ربّ نے اس کے لیے تجویز فرمایا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ)

''پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

انبیاء کے درجات ومراتب

انسانوں کی اصلاح وتطہیر اور رشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور یہ تسلسل نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ تک قائم رہا۔ یہ نفوسِ قُدسیہ بے شمار محامد اور فضائل کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت بخشی اور اس فضیلت کے سبب وہ دوسروں پر ممتاز ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۵۳)

''یہ رسول جو ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند کیے' اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی کھلی

نشانیاں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔''

اس آیت کریمہ نے واضح کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کا خاص پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا' جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتیازی شان یہ ہے کہ ربّ کریم نے انہیں کھلے کھلے معجزات دیے اور روح القدس کی خصوصی تائید سے مشرّف فرمایا۔ اسی طرح دوسرے رسولوں کو بھی درجات ومراتب عطا ہوئے جو ان کے لیے خاص ہیں۔ مگر سابقہ امم کی یہ روش بڑی عجیب سی رہی کہ جس نبی اور رسول پر ایمان لائے تمام تر خصوصیات اور فضائل کا جامع اُسی کو بنا دیا اور کسی دوسرے نبی و رسول کی فضیلت واہمیت کو ماننا ان کے نزدیک ایمان کے منافی قرار پایا۔ یوں تعصّبات کی دیواریں کھڑی کر کے جنگ وجدل کی راہ اپنائی گئی اور نبوت کے چشمۂ صافی سے برکات کا حصول مسدود کر کے رکھ دیا گیا۔

فضیلت کا مفہوم

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ مذکورہ آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''یہ تفضیل یا باہمی فضیلت وافضلیت جو کچھ ہے محض عنداللہ ہے' خالق کے ہاں درجات ومراتب قربت کے لحاظ سے ہیں' خلق کے لیے بحیثیت مطاع سب یکساں ہیں' عام خلقت کے لیے رسول سب برابر ہیں' اطاعت وتعظیم سب کی یکساں واجب ہے۔ اسی معنی میں قرآن مجید نے سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾۔ لیس مقام التفضیل الیکم انما هو الی اللّٰه عزوجل وعلیکم الانقیاد والتسلیم له والایمان به۔'' (ابن کثیر بحوالہ تفسیر ماجدی جلد اوّل)

یہود و نصاریٰ اپنی انا کے خول میں بند ہو کر رہ گئے تھے اور اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہدایت اور نجات انہی کی راہ اختیار کرنے میں ہے:

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴿۱۳۵﴾﴾ (البقرۃ)

''اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے۔ کہو بلکہ ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کرو جو اللہ کی طرف یکسو تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔''

قرآن حکیم نے ان کے اس دعوے کی تردید کی اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے اور وہ ہر طرف سے کٹ کر پوری یکسوئی سے اپنے رب کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ صراطِ مستقیم یعنی ملّتِ اسلام سے سرِمُو بھی منحرف نہیں ہوئے اور اسی شاہراہ پر قائم

رہے جو اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائی تھی۔ فرمایا:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور اس چیز پر ایمان لائے جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور تمام نبیوں کو ان کے ربّ کی طرف سے ملی، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

گویا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت اور اس کے انبیاء و رسل علیہم السلام کے باب میں اُمتِ مسلمہ بالکل وہی موقف اپنائے ہوئے ہے جو اُمتِ وسط کی معنویت میں مضمر ہے، وہ نہ تو کسی نبی اور رسول کی تکذیب کرتی ہے اور نہ ان میں کسی تفریق و استثناء پر ایمان رکھتی ہے۔

نبوت و رسالت کا منصب

انبیاء و رسل کی یہ فضیلت ہی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت اور رسالت عطا فرمائی۔ اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں، اہلِ ایمان پر سب کا احترام واجب ہے، اس میں کمی نقصِ ایمان پر دلالت کرتی ہے، مگر تعصّب، عناد، بغض، نفرت اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی حاضر خدمت ہو کر شکایت کناں ہوا کہ اے ابوالقاسم! آپ کے اصحاب میں سے ایک انصاری نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے بلاؤ! پھر آپؐ نے اس سے پوچھا: تم نے اس کے چہرے پر تھپڑ کیوں مارا ہے؟ وہ صحابی کہنے لگے: میں یہودیوں کے پاس سے گزرا تو اس یہودی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت بخشی!'' میں نے کہا: ''(اے خبیث) کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی (موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت بخشی)؟'' اور میں نے غصے سے مغلوب ہو کر اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا۔ اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُخَيِّرُوْنِيْ مِنْ بَيْنِ الْاَنْبِيَاءِ ، فَاِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُفِيْقُ فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ ، فَلَا اَدْرِيْ

اَفَاقَ قَبْلِيْ اَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّوْرِ)) (۱)

''مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے، سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰؑ عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا (سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور) طور کی بے ہوشی کے بدلے میں بے ہوشی سے بچا لیے گئے۔''

چند دوسری احادیث بھی غور طلب ہیں۔ مثلاً:

☆ ((لَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَقُوْلَ اَنَا خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى)) (۲)

''کسی بندے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ کہے کہ میں (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یونسؑ بن متی سے بہتر ہوں۔''

☆ ((لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ)) (۳)

''تم نبیوں کو ایک دوسرے پر ترجیح نہ دو۔''

☆ ((لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ)) (۴)

''تم اللہ کے بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں سے افضل نہ کہو۔''

☆ ((لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى)) (۵)

''تم مجھے موسیٰ پر ترجیح نہ دو۔''

فضیلت کا اثبات

متذکرہ بالا احادیث سے بظاہر یہ عیاں ہوتا ہے کہ کوئی نبی کسی دوسرے نبی سے بڑھ کر نہیں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور یہ کہنا محلِ نظر ہے کہ آپؐ سب انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ مگر جب ہم کتابِ حکیم پر نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر ایمان لانے کے مکلّف بنائے گئے ہیں، سب کی عزت و احترام ہم پر لازم اور واجب ہے، البتہ مرتبے، مقام اور منصب کا ان میں فرق اور تفاوت موجود ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

☆ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۵۳)

''یہ (اللہ) کے رسول ہیں (جنہیں ہم نے بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خود ہم کلام

ہوا ہے اور اس نے ان میں سے بعض کے مرتبے بلند کیے ہیں۔''

☆ ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵﴾ (بنی اسراء یل)

''اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر مرتبہ میں برتری دی ہے اور داؤدؑ کو ہم نے زبور دی۔''

گویا اللہ کے ہاں ان انبیاء و رسل کے مدارج اور مراتب یکساں نہیں' بعض کے درجے بلند ہیں اور وہ دوسرے رسولوں سے افضل ہیں' یہ ایک دوسرے پر فوقیت اور ترجیح اللہ کی عطا کردہ ہے۔ انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

☆ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۸﴾ (سبا)

''(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

☆ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:۱۵۸)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

☆ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱﴾ (الفرقان)

''بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا تا کہ وہ تمام دنیا کو ہوشیار کرے۔''

☆ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵﴾ (الضحی)

''اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''

☆ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴﴾ (الم نشرح)

''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔''

ایک اشکال اور اس کی توجیہہ

یہاں پر یہ اشکال پیش آ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی مذکورہ آیات اس امر پر بڑی صراحت سے دلالت کرتی ہیں کہ بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں' جبکہ بعض احادیث میں انبیاء کے درمیان تفضیل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو'' اور پھر کہا کہ کسی بندے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ حضرت یونس بن متی سے بہتر ہیں'' مگر حقیقتاً یہاں کوئی تعارض نہیں۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر اس کی توجیہہ ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

ا) ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان اس سے پہلے کا ہو جبکہ آپؐ کو فضیلت کا علم نہ ہوا ہو۔

لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے۔

ب) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔

ج) تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور اختلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان کو گھٹانا ہے' اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

د) چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو' یعنی صرف اپنی رائے' اپنے خیال اور ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔

ہ) پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت اور تکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' وہ جسے فضیلت دے اسے مان لو' تمہارا کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے۔(۶)

حضور ﷺ کی جلالتِ شان

قرآن حکیم کی آیات واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انبیاء و رسل درجہ اور مرتبہ میں برابر نہیں' کسی کا درجہ زیادہ بلند ہے اور کسی کا کم بلند۔ یہ ترجیح اللہ تعالیٰ نے خود روا رکھی ہے' جو مقام اور جو منزلت حضور نبی کریم ﷺ کے حصے میں آئی اور جس شرف سے آپؐ کو مشرف کیا گیا وہ آپؐ کا امتیازی وصف ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

☆ ((اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ يَّنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ)) (۷)

''قیامت کے دن میں سب انسانوں کا سردار ہوں گا' میں سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر آؤں گا اور میں سب سے پہلے سفارش کروں گا اور میں وہ ہوں کہ جس کی سفارش سب سے پہلے قبول ہوگی۔''

☆ ((اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ ' وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ' وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ' وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ' وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ)) (۸)

''آگاہ رہو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں' اور قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرا ہاتھ میں ہوگا اور اس پر کوئی فخر نہیں' اور میں قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا

ہوں گا اور میری شفاعت ہی کو سب سے پہلے شرفِ قبول عطا ہوگا اور اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور میں ہی سب سے پہلے جنت کے کنڈے ہلاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لیے (جنت کے دروازے) کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا جبکہ میرے ساتھ فقرائے اہلِ ایمان ہوں گے اور اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور میں (اللہ کی نگاہ میں) سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ عزت والا ہوں اور (یہ اللہ کا خاص فضل وکرم ہے) میں اس پر فخر نہیں کرتا۔''

☆ ((اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ)) (۹)

''میں سب رسولوں کا امام ہوں اور میں اس پر فخر نہیں کرتا' میں آخری نبی ہوں (میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا) اور میں اس پر فخر نہیں کرتا (بلکہ اللہ کی اس عنایت پر میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔)''

☆ ((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً)) (۱۰)

''پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اور میں سب انسانوں کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

خصائصِ نبوی ﷺ

جن فضائل' خصائص اور مناقب سے حضور نبی کریم ﷺ کو نوازا گیا' مندرجہ بالا احادیث ان پر دال ہیں۔ متعدد معتبر حدیثوں کے الفاظ خود آپ ﷺ کی زبانِ اقدس سے ادا ہوئے ہیں' صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: (۱) مجھے ایک مہینے کی مسافت پر رُعب اور ہیبت کے ذریعے سے فتح و نصرت دی گئی۔ (۲) میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور ذریعۂ طہارت بنائی گئی۔ پس میری اُمت کے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں پڑھ لے۔ (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا اور یہ مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لیے حلال نہ تھا۔ (۴) مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا۔ (۵) مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔'' (۱۱)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

''مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔ (۲) مجھے رعب و ہیبت سے نصرت دی گئی۔ (۳) مالِ غنیمت میرے لیے

حلال کیا گیا۔ (۴) تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنائی گئی۔ (۵) میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ (۶) انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔'' (۱۲)

رعب و ہیبت سے نصرت

دنیا میں آنے والے انبیاء دو قسم کے تھے' ایک وہ تھے جو بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے' دوسرے وہ جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی دعوت کا آغاز اگرچہ ایوبی بے چارگی اور مسیحی غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت برداری اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ)) (۱۳) ''مجھے رعب و ہیبت کے ذریعے فتح و نصرت بخشی گئی' یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے''۔ قرآن نے شہادت دی: ﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ (الاحزاب: ۲۶ والحشر: ۲) ''اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔''

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد

دوسرے مذاہب میں مراسم عبودیت عبادت گاہوں کی چہار دیواری تک محدود رہے' لیکن اسلام کا عالمگیر دین سنگ و خشت کی چار دیواریوں ہی کا رہین منت نہ تھا بلکہ اس کی تعلیمات کے مطابق کوہ و صحرا' خشکی و تری' مسجد و کنشت ہر جگہ معبود حقیقی کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے مسجدوں کے باہر بھی ہے: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۱۵) ''پس جدھر بھی تم رخ کرو گے اُدھر ہی اللہ کا رخ ہے۔'' ع

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد!

یہ بات ایک ایسی عظیم صداقت پر شاہد ہے جس سے اسلام کی عالمگیریت پر دلالت ہوتی ہے۔

انبیاء کے پیروکار اور ان کا طرزِ عمل

دنیا میں لاکھوں پیغمبر مبعوث ہوئے مگر ان کی تعلیم و ہدایت محفوظ نہ رہ سکی اور نہ ان کے ماننے والے موجود رہے۔ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے بھی زیادہ تعداد میں نہ تھے' اکثر راہِ حق سے انحراف کرتے رہے اور شرک میں مبتلا ہوتے رہے' سرفروشی اور جاں بازی سے گھبرا کر میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرتے رہے۔ ابتدائے دعوت میں حضور ﷺ کا حال یہ تھا کہ مکہ کی گلیوں میں تن تنہا متلاشیانِ حق کو صدائے توحید دیتے رہے' مخالفتوں کا زور تھمتا نہ تھا' مگر پھر وہ مرحلہ آیا کہ ریگستان عرب کا ذرّہ ذرّہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے فروزاں ہو گیا۔ حجۃ الوداع

کے موقع پر کم وبیش ایک لاکھ جاں نثار دائیں بائیں کھڑے تھے۔

حضورؐ نوعِ انسانی کے لیے نبی بن کر آئے

انبیاء کرام علیہم السلام خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف آتے رہے' مگر حضور ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے ہوئی' ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی' کالے گورے' رومی' حبشی' عرب' عجم' ترک' تاتار' چینی' ہندی کی کوئی تمیز نہ رہی۔ خود آپ ﷺ کی زندگی میں عرب صحابہؓ کے علاوہ سلمان فارسی' صہیب رومی' بلال حبشی رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے حلقہ بگوش تھے۔ عالم کے سلاطین کے نام آپؐ کا دعوت نامہ اسی عمومی دعوت کا غماز تھا۔

جوامع الکلم

انبیاء کرام علیہم السلام پر صحائف کا نزول ہوتا رہا مگر ان میں کوئی صحیفہ اپنی صحیح صورت میں محفوظ نہ رہا' وصف جامعیت بھی ان میں موجود نہ تھا۔ عقائد وعبادات سے متعلق امور تو ان میں موجود تھے مگر زندگی کے باقی امور کے بارے میں جامع ہدایات موجود نہیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکلم کا مصداق ہے۔ آپؐ نے اپنے خصائص میں واضح طور پر یہ کہا کہ ''مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے ہیں''۔ چنانچہ قرآن مجید توراۃ' زبور اور انجیل کو جامع ہے' اس میں قوموں کی تاریخ بھی ہے' اخلاق ومواعظ بھی ہیں' عقائد وعبادات بھی ہیں' دعا ومناجات بھی ہے اور تمام معاملات کے احکام وقوانین بھی ہیں۔ گویا ہر لحاظ سے قرآن حکیم کامل ومکمل ہے' ہر شعبہ کے لیے ہدایات موجود ہیں' اس لیے اس کے پیروکار حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کا نعرہ فخر سے بلند کرتے ہیں۔ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف مضمر ہیں۔ قرآن حکیم ایک زندہ معجزہ ہے۔ دوسرے انبیاء کے صحائف خود معجزہ نہ تھے۔ اس لیے وہ تحریف وتغیّر سے پاک نہ رہ سکے۔ یہ دائمی معجزہ بن کر آیا اور ہمیشہ کے لیے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (الحجر) ''ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' قرآن حکیم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات بھی ''جوامع الکلم'' کے مصداق ہیں جن میں گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

ختمِ نبوت

رسول اللہ ﷺ کے وجودِ اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا' نبوت ورسالت کا

سلسلہ منتہی ہو گیا اور دنیا کسی نئے آنے والے نبی ورسول سے مستغنی ہو گئی۔ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے موقع پر اعلان فرما دیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لیے پسند کیا۔''

یہ آیہ کریمہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ۵ھ میں فرمایا گیا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا: ((وَخُتِمَ بِی النَّبِیُّوْنَ)) (۱۴) ''اور انبیاء مجھ سے ختم کیے گئے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا' لوگ اسے دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں' لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا ناتمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔ فرمایا: فَاَنَا لَبِنَةُ تِلْكَ اللَّبِنَةُ ''تو میں وہی آخری اینٹ ہوں'' فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ (۱۵)

حزم واحتیاط کی ضرورت

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام انبیاء ورسل سے افضل ہیں اور آپؐ تمام انبیاء کے سردار اور امام ہیں۔ وہ خصائص جو تمام انبیاء کو فرداً فرداً ملے حضور نبی کریم ﷺ ان سب سے بدرجۂ اتم سرفراز ہوئے۔ نبوت کے مرتبہ میں سب انبیاء شریک ہیں' اسی طرح رسالت کے منصب عظیمہ پر بھی سب رسول فائز ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے امام الانبیاء ہونے کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ کسی نبی کی تنقیص کی جائے۔ آپ ﷺ کے ارشادات کا مطلب ہی یہ ہے کہ پیغمبروں کی محبت وعقیدت میں غلو نہ کیا جائے اور انبیاء کے درمیان اس انداز میں موازنہ نہ کیا جائے کہ کسی کی شان میں بے ادبی یا گستاخی کا پہلو نکلتا ہو' جیسا کہ بعض

نادان شاعروں اور غیر متوازن واعظوں کا شیوہ ہے۔ نبیوں، رسولوں اور حضور نبی مکرم ﷺ کا مقام بہت بلند اور خاصا نازک ہے، اس معاملے میں بہت زیادہ حزم و احتیاط سے کام لینے ہی سے ایمان کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب ولمّا جاء موسیٰ لمیقاتنا .....

(۲) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وھل اتاك حدیث موسیٰ..... عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومة بین المسلم والیھود۔ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ۔

(٤) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وان یونس لمن المرسلین۔ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ۔

(٥) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاة موسیٰ وذکرہ بعد۔ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ۔

(٦) ابن کثیر، جلد اوّل، آیت ۲۵۳۔

(۷) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی سائر الخلائق۔

(۸) سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب فی فضل النبی ﷺ۔

(۹) سنن الدارمی، المقدمة، باب ما اعطی النبی ﷺ من الفضل۔

(۱۰) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجدا وطھورا۔

(۱۱) صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب وقول اللّٰہ تعالیٰ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا۔ وصحیح مسلم، کتاب المساجد۔

(۱۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة۔

(۱۳) صحیح البخاری، کتاب التیمم و کتاب الصلاة۔

(۱٤) صحیح مسلم، کتاب المساجد۔

(۱٥) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین۔ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ظالم مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ جب وہ سن شعور کو پہنچے تو بنوامیہ کی حکومت میں عیش وعشرت اور ظلم وستم اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا۔ بنواُمیہ کے ظالم حکمرانوں اور گورنروں کے خلاف امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے خروج کیا اور کوفہ میں ساتھیوں کی بے وفائی کی وجہ سے شہید کر دیے گئے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہمدردیاں حضرت زیدؒ کے ساتھ تھیں اور آپ نے ان کی مالی معاونت بھی کی۔ البتہ آپ بالفعل اُن کے ساتھ خروج میں شریک نہ ہوئے۔ اِسی طرح جب بنوعباس کے حکمرانوں کا ظلم و جبر حد سے بڑھنے لگا تو ان کے خلاف حضرت محمد بن عبداللہ نفسِ زکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے خروج کیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس خروج کی بھرپور اخلاقی حمایت کی لیکن عملی طور پر خروج میں حصہ نہ لیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حوالے سے امام صاحب کا مسلک اور نقطہ نظر کیا تھا۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

''میں نے اِس سلسلہ میں جستہ جستہ طور پر مختلف مقامات میں اِس مسئلہ کا ذکر کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ بجائے خود اسلام کے سیاسی شعبہ کا یہ بڑا اہم مسئلہ ہے، محض اشاروں اور کنایوں سے اِس کے تفصیلات سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خدا کرے کہ اسلامی سیاسیات پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا جو ارادہ کر رہا ہوں اِس ارادے کی تکمیل کا موقعہ اگر دیا گیا تو اِس پر تفصیل سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ یہاں پر مجملاً اتنا کہہ دیتا ہوں کہ ابن حزم نے کتاب ''**الملل و النحل**'' میں لکھا ہے کہ اِس پر متفق ہو جانے کے بعد کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے، آگے اس مسئلہ میں کہ فرض کی نوعیت کیا ہے، اختلاف ہے۔ اہل السنّت میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ

ہے کہ دل سے برا جاننا اور زبان سے بھی قدرت ہو تو اسے برا کہنا اس حد تک فرض ہے، لیکن حکومت کے مقابلے میں خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، ہاتھ اٹھانا یا تلوار کھینچ لینا جائز نہیں ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ بالاتفاق شیعوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ یعنی جب تک امام مہدی جن کے وہ منتظر ہیں، نہ نکلیں تلوار اٹھانا ان کے ہاں ممنوع ہے خواہ دنیا کے تمام شیعہ قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ دوسرا طبقہ جس میں اہل السنّت کا بھی ایک گروہ شریک ہے اور تمام معتزلہ اور خارجی فرقہ کے لوگ نیز زیدیہ سب کا یہی مذہب ہے کہ جب منکر اور ظلم و جور کے ازالہ کی شکل تلوار نکالنے کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے تو اس وقت تلوار کھینچ لینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے فرض ہو جاتا ہے بشرطیکہ باطل کے مقابلہ میں کامیابی کا غالب گمان ہو۔ لیکن ضعف کی وجہ سے کامیابی سے اگر مایوسی ہو تو اس وقت تلوار کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام داؤد ظاہریؒ سب کا یہی مذہب ہے۔ پھر دونوں فرقوں کے دلائل کا تفصیلی ذکر کر کے آخری مسلک کو ابن حزم نے ترجیح دی ہے۔ الجصاص کے بیانات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ محدّثین کی ایک جماعت حکومت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتی تھی خواہ وہ کچھ بھی کر رہی ہو۔ بلکہ ہاتھ یا زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم صرف عوام سے متعلق ہے۔ بظاہر امام اوزاعی بھی ان ہی لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں۔ اہل السنّت میں فقہی طور پر اس مسئلہ کو منقح امام ابوحنیفہؒ نے شروع شروع میں کیا۔ اسی لیے ان پر محدثین کی طرف سے اظہار تعجب بھی کیا گیا اور لعن طعن بھی۔ لیکن بقول الجصاص ان ہی کمزوریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ فساق و فجار کے ہاتھوں میں حکومت چلی گئی، پھر کفار نے حکومت چھین لی اور مسلمانوں کی سرحدیں کمزور ہو گئیں۔

خربت البلاد وذهب الدين والدنيا وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب الثنوية والخرمية والمزدكية (احکام، ص ۳۴۷، ج ۲)

یعنی مسلمانوں کی آبادیاں کھنڈر بن گئیں کہ دین بھی رخصت ہو گیا اور دنیا بھی ختم ہو گئی..... زندقہ، الحاد، بے دینی، خیالات میں انتہا پسندی نیز مجوسیوں کے عقائد رکھنے والے 'بابک خرمی' کے ماننے والے اور مزدک مشہور اشتراکی کے ہم نوا دنیا پر چھا گئے۔''

ظالم مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کے حوالے سے امام صاحب کے مسلک کو واضح

کرنے کے لیے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ابومسلم خراسانی اور ابراہیم الصائغؒ کے درمیان کشمکش کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ ابومسلم خراسانی تو تاریخِ اسلام کی ایک مشہور شخصیت ہے جس نے بنواُمیہ کے خلاف بغاوت کی اور بنوعباس کی خلافت کی راہ ہموار کی۔ البتہ ابراہیم الصائغؒ کا تعارف مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس طرح نقل کیا ہے:

''مرو جو عرب سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن غیر معمولی ایمانی اور علمی و عملی شخصیتوں سے معمور تھا۔ ان ہی شخصیتوں میں ایک بڑی ہستی ابراہیم بن میمونؒ کی تھی۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ میمونؒ ابراہیم کے والد رسول اللہ ﷺ کے موالی میں تھے۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ یہی میمونؒ تھے جن کا نام مہران بھی بتایا جاتا ہے اور وہ چند خاص حدیثوں کے راوی بھی ہیں۔ بہرحال ابراہیم نے مرو کو وطن بنالیا تھا۔ ان کے نام کے ساتھ الصائغ کے لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زرگری کا کام کرتے تھے اسی لیے صائغ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے حالات میں جو فقرہ ابن معین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

کان اذا رفع المطرقة فسمع النداء لم یردھا (ص۱۷۳ ج۱ تہذیب)

''ان کا حال تھا کہ ہتھوڑی اٹھائے ہوئے ہیں اگر اذان کی آواز آتی تو اس ہتھوڑی کو پھر دوبارہ نہیں واپس کرتے (یعنی کام ختم کردیتے اور نماز کی تیاری میں مصروف ہوجاتے تھے۔''

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زرگری ان کا معاشی شغل تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ حدیث میں بڑے بڑے جلیل ائمہ مثلاً عطاء بن ابی رباح اور نافع ابواسحاق' ابوزبیر سے روایت کرتے تھے۔ نسائی' ابوداؤد جیسی صحاح کی کتابوں میں ان کی حدیثیں ہیں۔ تعلیقاً صحیح بخاری میں بھی ان کی روایت پائی جاتی ہے اور یہی حال ان کا فقہ میں بھی تھا۔ حنفی طبقات کی کتابوں میں ان کا ''ائمہ مرو'' کے نام کے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔'' (ص۲۴۰)

ابومسلم خراسانی اور ابراہیم الصائغ کے مابین کشمکش کا ذکر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

ابراہیم اور ابومسلم کے دوستانہ تعلقات

خلاصہ یہ ہے کہ کچھ ایسے انداز سے مرو میں ابومسلم نے اپنے آپ کو نمایاں کیا تھا کہ

بڑے بڑے لوگ اس کے جال میں گرفتار ہوگئے۔ ان ہی لوگوں میں یہ بے چارے ابراہیم الصائغ بھی تھے۔ طبقات ابن سعد میں نقل ہوا ہے کہ ابراہیم صائغ اور ابومسلم میں دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم اور ایک دوسرے محدّث محمد بن ثابت ابومسلم کے خاص لوگوں میں تھے۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ

یجلسان الیه و یسمعان کلامه (ص۱۰۳ ج۷ قسم دوم)

''یہ دونوں (یعنی ابراہیم صائغ اور محمد بن ثابت) ابومسلم کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور اس کی باتیں سنا کرتے تھے۔''

لیکن ظاہر ہے کہ اس کی شاطرانہ کارروائیوں کا راز کب تک چھپا رہتا۔ جوں ہی کہ اقتدار کی باگ اس کے ہاتھ میں آنے لگی جو کچھ اس کے اندر تھا وہ باہر آگیا۔ کھل گیا کہ یہ بھی شغال کا بھائی سگِ زرہی ہے۔ گویا ؎

چو از چنگال گُرگم درد بودی
ندانم عاقبت خود گُرگ بودی

کا قصہ لوگوں کے سامنے پیش آگیا۔

ابراہیم اور ابومسلم کی مخالفت

ارباب اخلاص و دیانت میں سے جو اس کے مغالطوں کے شکار ہوگئے تھے' حقیقت جب بے نقاب ہوکر ان کے سامنے آئی تو اپنے اپنے ظرف اور ایمانی ذکاوتِ حسّی کے لحاظ سے ہر ایک پر اپنی اُس غلطی کا ردعمل ہوا۔

ابراہیم صائغ جس طبیعت کے آدمی تھے (ان کے تھوڑے بہت حالات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) اسی سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنی اس فاش غلطی کی ندامت کا ان پر کیسا کچھ اثر مرتب ہوا ہوگا۔ **البرّ و التقوٰی** کی نیت سے جس تعاون کو انہوں نے پیش کیا تھا اب معلوم ہوا کہ یہ تو بالکلیہ **الاثم والعدوان** پر میں نے اس کے دست و بازو کو قوت پہنچائی۔ پھر اس غلطی کی تلافی کیسے کی جائے؟ جہاں تک ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کی طرح ان کے اندر اس سوال کا شعلہ بھڑکنے لگا۔

ابراہیم کا ابومسلم کے متعلق حضرت امامؒ سے مشورہ

یہ عجیب بات ہے کہ اسی کے بعد ہم ابراہیم کو بجائے مرو کے کوفہ میں پاتے ہیں' یعنی امام

ابوحنیفہؒ سے ابومسلم کے متعلق مشورہ کررہے ہیں۔ ابراہیم اور امام ابوحنیفہ کے درمیان اس مسئلہ میں جو گفتگو ہوئی اس کا ذکر تو خیر آ ہی رہا ہے لیکن یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ مرو سے لے کر کوفہ تک کے درمیانی علاقے میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں' ماسوا اس کے باہر ہی کے کسی آدمی سے اگر ابراہیم کو اس مسئلہ میں مشورہ کرنا تھا تو اسلامی دنیا کے طویل وعریض علاقے میں ان کی نظر انتخاب امام ابوحنیفہ ہی پر کیوں پڑی؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کے سیاسی رجحانات ہی نے اتنے لمبے چوڑے سفر پر ان کو آمادہ کیا۔ اس زمانے میں جب مسلمانوں کی سیاست میں اربابِ اغراض نے عام طور پر تشیّع[1] کا رنگ بھر دیا تھا' دوسرے خیال کے لوگ یعنی جو مسلمانوں کی حکومت کو شوریٰ اور رائے عامہ سے وابستہ سمجھتے تھے بہت کم پائے جاتے تھے۔ ابن سعد نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ ابومسلم سے ابراہیم کی مخالفت کی ابتدا اُسی وقت سے شروع ہوئی جب:

اظهر الدعوة بخراسان وقام بهذا الامر (ص۱۰۳)

''اس نے عباسی دعوت کا اعلان شروع کیا اور اس مہم پر وہ کھڑا ہوا''۔[2]

بہرحال ابراہیم مرو سے روانہ ہوئے' کوفہ پہنچے' آگے قصہ جس شکل میں پیش آیا ہے عبداللہ بن المبارکؒ نے خود امام ابوحنیفہؒ سے اُس کو سنا ہے اور ابوبکر جصاص نیز القریشی صاحبِ طبقاتِ حنیفہ وغیرہ سب ہی نے اس قصے کو نقل کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب ابومسلم اور ابرہیم صائغ میں اختلاف پیدا ہوا تو جہاں تک معلوم ہوتا ہے ابراہیم مرو سے روانہ ہوکر سیدھے امام ابوحنیفہ کے پاس کوفہ پہنچے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عباسیوں کی خلافت کا ابتدائی عہد ہے۔ بغداد کا نقشہ زمین پر کیا ابھی دماغوں میں بھی نہیں آیا ہے کیونکہ اس کی تعمیر تو منصور عباسی نے کی اور ہم جس زمانہ کا قصہ لکھ رہے ہیں یہ عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کا زمانہ ہے۔ گو سفاح نے اپنی زندگی کے آخر دنوں میں انبار کو پایۂ تخت خلافت بنالیا تھا جو کوفہ سے اگرچہ زیادہ فاصلے پر نہ تھا لیکن خود کوفہ نہ تھا' مگر انبار سے پہلے اس نے اپنی قیام گاہ ابن ہبیرہ (بنوامیہ کا کوفہ میں آخری گورنر) کے قصر ہی کو قرار دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود کوفہ ہی میں رہتا تھا اور جہاں تک سنین کے ملانے اور دوسرے قرائن سے پتا چلتا ہے امام کے پاس ابراہیم صائغ اسی زمانے میں آئے ہیں جس زمانہ میں عباسی خلیفہ اسی ابن ہبیرہ کے قصر یا قصر ہی کے قریب ہاشمیہ[3] نامی گڑھی میں رہتا تھا۔

ابومسلم کی مخالفت پر حضرت امام اور ابراہیم کا اتفاق

بہرحال ابراہیم امام کے سامنے پہنچتے ہیں۔ جہاں تک معلوم ہوتا ہے سارا قصہ ابتدا سے انتہا تک امام کے سامنے دہراتے ہیں اور جس خطرے کو ابومسلم اسلام کے سامنے لا رہا تھا اس سے آگاہ کرتے ہیں۔ امام کا بیان ہے کہ اس کے بعد اس شخص نے مجھ سے اس مسئلہ پر بحث کرنی شروع کی کہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا اس کا مقابلہ مسلمانوں کا فرض نہیں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں اس مسئلہ پر دیر تک بحث ہوتی رہی' کیونکہ آخر میں امام کے الفاظ ہیں کہ:

الى ان اتفقنا على انه فريضة من الله تعالىٰ

''یہاں تک کہ ہم دونوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ (مقابلہ کے لیے کھڑا ہونا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔''

ابراہیم کا حضرت امام سے بیعتِ جہاد کے لیے ہاتھ بڑھانا

کلام کا یہ طرز بتا رہا ہے کہ ردّوقدح کا کوئی طویل سلسلہ اس کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کو طے کرلینے کے بعد میں نے دیکھا کہ ابراہیم اپنا ہاتھ بڑھائے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ

مدّ يدك حتى ابايعك ''ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں بیعت کروں۔''

یہ مرید ہونے کی بیعت نہیں تھی بلکہ اس وقت کرۂ زمین کی کہیے یا کم از کم اس علاقے میں سب سے بڑی قہرمانی طاقت جس کی حکومت بن چکی تھی' ابراہیم اسی طاقت سے ٹکرانے کے لیے امام ابوحنیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ جب یہ طے ہو چکا کہ خدا کی طرف سے فرض عائد ہو چکا ہے تو اب اُٹھیے اور خدا کے فرض کو پورا کیجیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سارا معاملہ کوفہ میں ہو رہا تھا۔ اسی کوفہ میں جس کا ہاشمیہ گویا ایک محلّہ تھا اور نئی نئی قائم ہونے والی حکومت کے خفیہ کارندے ہر گھر میں آنکھیں پھاڑے پھاڑے دیکھ رہے ہیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ زید بن علی شہیدؒ کے ایامِ خروج ہی میں سیاسی دلچسپی اور رجحانات کے معاملہ میں کافی بدنام ہو چکے تھے اور نئی قائم ہونے والی حکومت کے متعلق گو امام کے رویہ کا ابھی لوگوں کو پتا نہیں چلا تھا بلکہ سفاح کی تقریر کے بعد امام نے جو الفاظ علماءِ کوفہ کی طرف سے فرمائے تھے ان کی بنیاد پر بھی حسنِ ظن قائم کیا جاسکتا تھا کہ موجودہ حکومت سے مطمئن ہیں اور یوں بھی جہاں تک قیاس کا اقتضا ہے بعد کو امام نے جس طرزِ عمل کو بھی حکومتِ عباسیہ کے مقابلہ میں

اختیار کیا ہو‘ لیکن جس زمانہ میں ابراہیم نے موجودہ حکومت کے مقابلہ میں اس مہم کے لیے آمادہ کرنا چاہا جو عباسیوں کی حکومت کا ابتدائی دور تھا‘ اس زمانے میں وہ فرصت کے اوقات کو غنیمت شمار کر کے اُن سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ بظاہر اُن کی نیت یہ تھی کہ پہلے وضعِ قوانین کے مسئلہ سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ دل میں ان کے کون کون سے ارادے تھے اس کا پتا تو بعد کو چلا لیکن سردست ہر چیز سے الگ ہو کر معصومانہ ماحول میں ایک ایسے پُرامن شہری کی زندگی گزار رہے تھے جو ایک طرف تجارتی کاروبار اور دوسری طرف حلقہ بنا کر طلبہ کو فقہ کی تعلیم دینے میں مصروف نظر آ رہا ہو۔

لیکن ابراہیم الصائغ کے حسن ظن اور اپنی روشنیٔ طبع نے اچانک ان کو ایک عجب مخمصے میں مبتلا کر دیا۔ امام پر جو حال ابراہیم کے ہاتھ بڑھانے کے بعد طاری ہوا خود اس کا اظہار اِن الفاظ میں کیا کرتے تھے کہ

فاظلمت الدنیا بینی وبینہٗ

’’میرے اور ابراہیم کے سامنے دنیا گویا تاریک ہوگئی۔‘‘

کیا جان کے خوف سے امام کی یہ حالت ہوئی؟ میں اس کا خود کیا جواب دے سکتا ہوں جس نے حق پژوہی اور راست بازی ہی کی راہ میں جان دی‘ اسی کے متعلق یہ خیال ظاہر ہے کہ منطقی تناقض ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور جیسا کہ آئندہ امام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اچانک سخت کش مکش کی حالت میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ان پر یہ حالت طاری ہوئی۔ ایک طرف ابراہیم کی صداقت و اخلاص‘ ان کے دلائل کی قوت‘ ضرورت کی شدت کا تقاضا یہ تھا کہ ابراہیم کی درخواست کو بغیر ردّوکد کے فوراً قبول کر لیں اور جس حال میں تھے کھڑے ہو جائیں ‘لیکن اس کا انجام بھی سامنے تھا۔ اس انجام کو دیکھ کر امام خیال کرتے ہوں گے کہ جو پروگرام میں نے بنایا ہے وہ خاک میں مل جائے گا۔ کامیابی نہ اس راہ سے ہوگی اور جو راہ میں نے سوچی ہے وہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گی۔ دل کی حالت کا جاننے والا تو علّام الغیوب اور علیمٌ بذات الصدور ہی ہے‘ لیکن بظاہر میری سمجھ میں یہی بات آئی ہے۔

حضرت امام کا جواب

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فوری حال تھا جس میں اچانک وہ مبتلا ہو گئے تھے‘ تاہم اپنے آپ کو امام نے سنبھالا اور سنجیدگی کے ساتھ ابراہیم کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ آخر میں

تمہاری بیعت کس لیے لوں؟ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے پھر کوئی طویل تقریر کی۔ خلاصہ اس کا امام نے اپنے الفاظ میں یہ بیان کیا ہے کہ

دعا لی الی حق من حقوق اللّٰہ

’’اللہ کے حقوق میں سے ایک حق کی طرف ابراہیم نے پھر مجھے دعوت دی۔‘‘

تب امام نے ابراہیم کو سمجھانا شروع کیا—— امام نے فرمایا کہ

’’میں نے بیعت لینے سے انکار کیا اور کہا کہ اس حق کو ادا کرنے کے لیے ایک دو آدمی اگر کھڑے ہوں گے تو قتل کر دیے جائیں گے اور مخلوقِ خدا کے لیے کام کی کوئی بات انجام نہ دے سکیں گے۔‘‘

اس کے بعد اس قسم کی مہم کے لیے جس تنظیمی و اجتماعی قوت کی قدرتی ضرورت ہے اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا:

ولکن ان کان وجد علیہ اعوانا صالحین ورجل یرء س علیھم مأمونا علی دین اللّٰہ

’’البتہ اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ اچھے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا کوئی سردھرا ایسا آدمی ہو جس کے دین پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو۔‘‘ یعنی تین چیزوں کی ضرورت امام نے جتائی:

(۱) پہلی بات تو یہی ہے کہ اس قسم کے کام میں افراد کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ اچھے صالح رفقاء اور مددگاروں کی ضرورت ہے۔

(۲) صرف عوام کے غیر منظّم گروہ سے بھی کام نہیں چلتا‘ کسی وحدت کے ساتھ کثرت کی شیرازہ بندی کے بغیر بھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص دماغ بن جائے یا انجن بن جائے اور اپنی اپنی رائے پر اصرار کرنے لگے تو خواہ کتنا ہی بڑا اجتماع ہو‘ کثرتوں کے ایک پراگندہ مجموعہ سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ ضرورت ہے کہ دماغ کے ساتھ دوسرے لوگ ہاتھ پاؤں بنیں یا کسی کو انجن بنا کر لوگ اپنے آپ کو گاڑی بنا کر اس انجن کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑ دیں۔

(۳) ایمانی اور دینی حالت اس کی درست ہو‘ یعنی دین میں منافق یا کمزور نہ ہو۔ راست باز اور پختہ ہو۔

جس کا حاصل یہی ہوا کہ باطل کا مٹانا اور حق کو آگے بڑھانا یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اگرچہ ہر مسلمان کا قرآنی فریضہ ہے' لیکن تمام فرائض قرآنی کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ آخر نماز بھی فرض ہے اور حج بھی۔ لیکن حج کے لیے استطاعتِ سبیل کی شرط ہے جو نماز کے لیے نہیں ہے۔ امام ہی کے الفاظ اس کے بعد یہ بھی ہیں کہ:

هذه فريضة ليست كا لفر ائض يقوم بها الرجل وحده

''بلاشبہ یہ بھی فرض ہے لیکن ایسا فرض نہیں ہے جس کے لیے تنہا ایک آدمی کھڑا ہوجائے۔''

پھر ایک خاص شبہ کا جیسا کہ میرا خیال ہے' امام نے جواب دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو تو دیکھا گیا ہے کہ باطل کے مقابلہ میں وہ تنہا کھڑے ہوگئے۔ اس کے جواب میں امام کی فہمائش کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

هذا الامر لا يصلح لواحد ما اطاقته الانبياء حتى عقدت عليه من السماء (ص ۵۰)

''یہ معاملہ تنہا کسی آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ پیغمبروں کے لیے بھی یہ صورت حال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جب آسمان پر ان کے لیے عہد باندھا گیا۔''

امام صاحب کا بظاہر مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُولوالعزم پیغمبروں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے آپ کو باطل کے مقابلے میں تنہا پا کر اس خطرے کو انہوں نے پیش کیا ہے جس کا اندیشہ بہرحال ایسی صورت میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے مقابلہ میں بھیجا جا رہا تھا حالانکہ بھیجنے والا قادر مطلق تھا' پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بشری احساس کا اظہار بارگاہِ ربّ العزت میں بایں الفاظ فرمایا کہ:

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾﴾

''(موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کہا) پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے اور سرکشی سے کام لے۔''

جواب حق تعالیٰ کی طرف سے بایں الفاظ ملا کہ

﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾﴾ (طٰہٰ)

''تم دونوں کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو' میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' سن رہا ہوں اور دیکھ

رہا ہوں۔''

امام کے الفاظ کہ ''پیغمبروں کے لیے بھی یہ صورت حال اسی وقت قابل برداشت ہوئی جب آسمان پر ان کے لیے عہد باندھا گیا'' اس میں میرے نزدیک یہ یا اسی قسم کے دوسرے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام صاحب کی غرض یہ ہے کہ پیغمبروں کو تو خیر اس کا موقعہ بھی تھا لیکن ایک عامی آدمی جس کے پاس اس قسم کا کوئی آسمانی وثیقہ نہیں ہے' کیسے ایسے کام کی جرأت کرسکتا ہے؟ اسی کے ساتھ امام نے ابراہیم کے سامنے وہ باتیں بھی دہرائیں جن کا ذکر امام کے سیاسی مسلک کی تنقیح کرتے ہوئے میں پہلے کر چکا ہوں۔ یعنی بغیر تنظیمی قوت کی فراہمی کے اس قسم کے خطرات میں پل پڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بڑا قیمتی سرمایہ (جان عزیز) مفت کسی قیمت کے بغیر ضائع ہوجاتی ہے۔ جب اتنی بڑی قربانی پر آدمی آمادہ ہی ہوگیا ہے تو کچھ قیمت حاصل کر کے مرنا یہ زیادہ مفید ہے۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں کہ

وهذا متى امر به الرجل وحده اشاط بدمه

''اور جب تنہا کوئی آدمی اس کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا تو بے قیمت اپنے خون کو رائیگاں کرے گا۔''

اشاط بدمه عربی زبان کا محاورہ ہے۔ منتہی الارب میں ہے **شاط دمه** (رائیگاں رفت خونِ او) اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

وعرض نفسه للقتل ''اور اپنے آپ کو خود قتل کے لیے پیش کرتا ہے۔''

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے مواقع میں قتل ہوجانے کی وجہ سے گو آدمی خودکشی کا مجرم تو نہیں قرار دیا جاتا ہے بلکہ ہمارے حنفی فقہاء کا فتویٰ ہے کہ باطل کے مقابلہ میں تنہائی اور ضعف کی وجہ سے اگر باطل والوں کے مظالم کے سہنے کی صلاحیت ہو اور اپنے دل پر اعتماد ہو کہ جو تکلیفیں اس راہ میں پہنچیں گی ان کی شکایت لوگوں سے کرنا نہ پڑے گی تو ایسی صورت میں مقابلہ کے میدان میں اترنا اور ظالموں کو ان کے ظلم پر ٹوکنا صرف یہی نہیں کہ جائز ہے بلکہ ''**هو مجاهد**'' سمجھا جائے گا کہ اس نے جہاد کے فریضہ کو ادا کیا۔ ''ظالم بادشاہ کے سامنے حق بولنا سب سے بڑا جہاد ہے''۔ اس حدیث سے جو ترمذی' ابوداؤد وغیرہ میں ہے' فقہاء حنفیہ نے استدلال کیا ہے۔ بلکہ دلچسپ لطیفہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ان ہی ابراہیم الصائغ

کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ کی طرف ایک روایت فقہ وحدیث کی کتابوں میں منسوب کی گئی ہے' حاصل جس کا یہی ہے کہ ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس حدیث کو قرار دیتے تھے کہ ''ظالم حکمران کے سامنے معروف کے امر اور منکر کی نہی کے لیے جو کھڑا ہوا' وہ اور حمزہ بن عبدالمطلب یہ دونوں شہداء کے سردار ہیں''۔ بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اس مہم میں جو قتل کر دیا جائے گا اس کو شہادت کا وہی مقام حاصل ہوگا جو سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کیا گیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی گفتگو کے موقعہ پر ابرہیم الصائغ نے امام کے سامنے یہ روایت جو عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے انہوں نے سنی تھی' پیش کی تھی۔ بہرحال اخروی انعام واکرام یہ دوسری بات ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں اس شخص کا جو رسولوں کے پاس شہر کے کنارے (یعنی اقصی المدینہ) سے آیا تھا مفسّرین جس کا نام حبیب نجار بتاتے ہیں' ان کے قصے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

﴿يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝۲۷﴾

''کاش! میری قوم جانتی کہ میرے ربّ نے مجھے بخش دیا اور عزّت والوں میں مجھے شریک فرما دیا۔''

اور ظاہر ہے کہ یہ بیچارے حبیب نجار بھی پیغمبر نہ تھے' بلکہ ابھی تازہ ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جن جادوگروں کو پیش کیا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آئے تھے' ان کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ قتل ہونے پر آمادہ ہو گئے اور ان کی یہ آمادگی قرآن میں محل ستائش قرار پائی۔

پس بات وہی ہے جو پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جہاد کے اسلامی قانون کی بنیاد صرف افادے ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ افادے کے ساتھ ابتلا پر بھی مشتمل ہے۔ ایسی صورتوں میں اپنے آپ کو قتل کرا دینے سے فائدہ تو کچھ حاصل نہیں ہوتا' لیکن ؎

جان دی' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

کے نصب العین کی تکمیل کر کے جان دینے والا اخلاص وصداقت کی امتحان گاہ میں یقیناً کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

لیکن امام کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جب جان ہی دینے کی ٹھہری تو اس کے معاوضہ میں بڑی سے بڑی جس قیمت کا حصول ممکن ہو اس کو حاصل کر کے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے اس کو خواہ مخواہ قتل ہو کر ضائع نہ کرنا چاہیے۔ ابن المبارکؒ سے روایت کے نقل کرنے والوں میں سے بعضوں نے امام کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ خلافتِ آدم کے قرآنی قصے میں ملائکہ نے انسان پر اعتراض کرتے ہوئے خدا سے جو یہ کہا تھا کہ ''آپ زمین میں کیا اس مخلوق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کریں گے اور خون بہائیں گے؟'' امام نے ابراہیم کو یہ قرآنی آیت یاد دلائی۔ اگر واقعی امام ابوحنیفہؒ نے یہ آیت بھی آخر میں تلاوت کی تھی تو بظاہر ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب قتل ہو جانے اور نہ ہو جانے' دونوں کا شرعاً اختیار دیا گیا ہے تو مذکورہ بالا آیت کی رو سے بھی قتل کے پہلو کو بلاوجہ اختیار کر لینا مناسب نہیں ہے اور گو قریشی کے طبقات میں یہ اضافہ نہیں ہے لیکن علامہ ابوبکر الجصاص نے اپنی تفسیر میں امام کے بیان کو جن الفاظ میں درج کیا ہے ان میں آخری فقرہ یہ بھی ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ

''اپنے آپ کو جبابرہ سے ٹکرا کر قتل کرا دینے میں ایک اور مصلحت بھی مانع ہے' وہ یہ کہ اس قتل کے بعد اندیشہ ہے کہ دوسروں کے حوصلے بھی باطل کے مقابلہ میں پست ہو جائیں گے۔''

بلاشبہ یہ ایک عام نفسیاتی مسئلہ ہے' تڑپتی ہوئی لاش اور بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر فطرتاً انسان غیر معمولی طور پر متأثر ہوتا ہے۔ گویا فائدہ تو الگ رہا امام نے توجہ دلائی کہ اس جسارتِ بے جا میں ایک نقصان کا پہلو بھی مضمر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابومسلم کے مقابلہ میں ابراہیم کا ایمانی جوش جس خونی تماشے کے پیش کرنے پر اُن کو آمادہ کر رہا تھا' امام نے پوری ذہانت اس ارادے سے ان کو باز رکھنے پر خرچ کی لیکن ابراہیم کچھ طے کر چکے تھے۔ امام کی فہمائش ان کو متأثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ اسی روایت میں امام ہی کی زبانی یہ بھی منقول ہے' یعنی امام فرماتے تھے کہ

وکان یتقاضی ذلك کلما قدم علی تقاضی الغریم الملح وکلما قدم علی تقاضانی

''مجھ سے اس مہم میں شریک ہو جانے کے لیے ابراہیم تقاضا کرتے ایسا سخت تقاضا جیسے کوئی قرض خواہ اصرار وتشدّد کے ساتھ قرض دار سے تقاضا کرتا ہو۔ جب کبھی ابراہیم

میرے پاس آتے اسی کا تقاضا کرتے۔''

صاحبِ طبقات اور علامہ جصاص دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ کو درج کیا ہے۔ ان ہی الفاظ کو دیکھ کر میں تو اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ امام ابوحنیفہ اور ابراہیم الصائغ کے درمیان یہ قصّہ ایک ہی دفعہ پیش نہیں آیا ہے' بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے سمجھانے بجھانے سے وقتی طور پر ابراہیم کا خیال شاید کچھ بدل جاتا تھا' لیکن مرو پہنچ کر ابومسلم کی حرکات پر ان کی نظر جب پڑتی تو پھر آپے سے باہر ہو جاتے۔ ایمانی جوش ان کا پھر ادائے فرض پر آمادہ کر دیتا تھا۔ مرو سے پھر مشورہ کرنے اور اپنا ہم نوا بنانے کے لیے وہ امام ابوحنیفہ کے پاس آتے تھے۔ چونکہ ابومسلم نے اپنے کاروبار کا آغاز خراساں میں ۱۲۹ھ رمضان سے شروع کیا تھا' کچھ دن تو مخالف قوتوں کو زیر کرنے میں خرچ ہوئے' لیکن مادہ پکا ہوا تھا' نصر بن سیار جو بنی اُمیہ کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا' شکست کھا کر شہر بہ شہر مارا مارا پھرتا تھا۔ آخر رے پہنچ کر بے چارا مارا گیا اور سارے خراسان کا حاکم مطلق ابومسلم بن گیا۔ نصر بن سیار کا انتقال ۱۳۱ھ میں ہوا۔ گویا سمجھنا چاہیے کہ ابومسلم بس اسی سال سے سارے خراسان پر ۱۳۶ھ تک حکمران رہا۔ ۱۳۶ھ میں عباسی خلیفہ اوّل السفاح کی دعوت پر بڑی مشکلوں سے وہ عراق گیا۔ گویا چھ ساڑھے چھ سال کے بعد واپس ہوا۔ اس عرصے میں گو سمرقند' بخارا' رے اور خراسان کے دوسرے شہروں کا بھی دورہ کرتا رہتا تھا' لیکن مستقر اس نے مرو ہی کو قرار دیا تھا جہاں پہلے بھی بنی اُمیہ کے گورنر رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے جو ابراہیم الصائغ کو اس کے ظاہری اور باطنی کارروائیوں سے واقف ہونے کا اور بہت قریب سے موقعہ ملتا رہا اور وہی چیز جس کا احساس بعد کو خود عباسی خلفاء (السفاح اور منصور) کو ہوا' ابراہیم کی آنکھیں براہِ راست اس کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابراہیم امام کے پاس اس مسئلہ کو لے کر کتنی دفعہ آئے لیکن جتنی دفعہ بھی آئے ہوں ان کے بار بار پلٹ کر آنے سے یقیناً اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امام کی طرف سے جواب پا لینے کے بعد بھی ابراہیم ان سے مایوس جو نہیں ہوتے تھے' اس کی وجہ وہی تھی کہ اختلاف دونوں میں جو کچھ تھا وہ صرف طریقہ کار میں تھا' ورنہ باطل کے مقابلہ میں فرض کے احساس کی آگ دونوں میں برابر لگی ہوئی تھی۔ موجودہ حکومت سے بیزاری اور ممکنہ حد تک اس سے مقابلہ کی کوشش میں دونوں کا سیاسی مذاق ایک ہی تھا۔ مذاق اور طبیعت کی یہی وحدت

ابراہیم کو بار بار مایوس ہو جانے کے بعد بھی ان میں اس کی امید پیدا کرتی تھی کہ شاید اب نہیں تو تب امام ابوحنیفہ میری ہم نوائی اور پشت پناہی پر آمادہ ہو جائیں۔ جیسے کسی پر قرض باقی ہو اور قرض خواہ اس سے تقاضا کرتا ہے' اسی طرح بقول امام ابوحنیفہ ابراہیم کا امام سے تقاضا کرنا یہ بھی اس اعتماد کی دلیل ہے جو نفس مسئلہ کی حد تک ابراہیم امام پر رکھتے تھے۔

کچھ بھی ہو اندر دونوں کا سچ پوچھیے تو ایک ہی تھا—— البتہ بے چارے ابراہیم میں صرف ایمانی جوش تھا۔ اس جوش کو عقل اور تدبیر کی راہ نمائی میں استعمال کرنے سے وہ معذور تھے' لیکن امام چاہتے تھے کہ ایمان کی اس حرارت سے اگر کسی چیز کے تیار کر لینے کا امکان ہو' خواہ وہ کوئی معمولی ہنڈیا ہی کیوں نہ ہو' تو اس موقعہ کو کیوں کھویا جائے۔ اسی بیان کی بعض روایتوں میں ہے کہ امام نے ابراہیم کو سمجھانے بجھانے کے بعد آخر میں اپنے مسلک کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

ولکنہ ینتظر الجصاص (ص۳۳' ج۱) ''لیکن چاہیے کہ انتظار کیا جائے۔''

جس کا مطلب جیسا کہ امام کے آئندہ طرزِ عمل سے پتا چلتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کسی باضابطہ اجتماعی تنظیم میں شریک ہو کر مقابلہ کا موقعہ اگر مل گیا تو میں اس میں شریک ہو کر فرض سے سبک دوشی حاصل کر لوں گا ورنہ انتظار کی ان گھڑیوں میں جس حد تک حق کو آگے بڑھانے اور باطل کو پیچھے ہٹانے کے امکانات ملتے جائیں گے ان امکانات سے نفع اٹھانے کی کوشش کرنے میں زندگی کے اوقات گزاروں گا۔

حواشی

(۱) تشیّع سے یہاں مراد وہ نہیں ہے جو آج کل سمجھا جاتا ہے بلکہ ابتدا ہی سے مسلمانوں میں سیاسیات کے دو مکتب خیال پیدا ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو یہ سمجھتا تھا کہ سیاسی اقتدار جس کی تعبیر امامت اور خلافت کے الفاظ سے کی جاتی تھی' یہ کسی خاص خاندان کا موروثی حق ہے۔ مگر کس خاندان کا ہے اور اس خاندان میں کس کا حق ہے اس باب میں اتنے خیالات اور مسالک بنتے چلے گئے کہ شاید ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ کسی خاندان پر متفق ہو جانے کے بعد آگے کی شاخوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ ابومسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کو مسلمانوں کی سیاسی امامت کا حق دار ثابت کرنا چاہتا تھا۔ کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصبہ (چچا) وہی تھے اسی لیے وہی حقیقی وارث تھے' لیکن اس کے مقابلہ میں شروع ہی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا

جن کا خیال بقول المسعودی یہ تھا کہ ''سیاسی امامت'' یہ خود امت کے اختیار کی چیز ہے یعنی مسلمانوں کی رائے کے حوالہ اس مسئلہ کو کر دیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن میں کسی شخص یا خاندان کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ مسلمان جس کا چاہیں انتخاب کر سکتے ہیں' صرف اس میں امامت کے صفات ہونے چاہئیں (کامل' ج ۴' ص ۱۶۵) لیکن جس زمانہ کا یہ قصّہ ہے اس میں اربابِ اغراض نے پہلے خیال ہی کو زیادہ تر پھیلا دینے کی کوشش کی۔ ''تشیّع'' سے اس وقت میرا یہی مقصود ہے۔ عوام جو ایک زمانہ سے موروثی بادشاہوں کے عادی تھے اس قدیم ذہنیت کے لیے اسی کا ماننا زیادہ آسان تھا۔ یہ تو اسلام کے بعد بتدریج دنیا اس نقطہ پر پہنچی ہے کہ حکمرانوں کا انتخاب ان ہی لوگوں کا حق ہے جن پر حکومت کی جاتی ہے۔

(۲) حالانکہ مرو میں ابومسلم شروع شروع میں بیعت لوگوں سے جن الفاظ میں لیتا تھا ان کا ترجمہ یہ ہے کہ میں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر بیعت کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی اہلِ بیعت کی رضامندی و فرمابرداری کا معاہدہ کرتا ہوں اور اپنے حکمرانوں سے کسی قسم کی تنخواہ یا خوراک کا مطالب خود میں نہ کروں گا بلکہ وہی جو کچھ مناسب سمجھ کر دیں گے اس پر راضی رہوں گا۔ بیعت میں یہ شرط بھی لگا رہتا کہ اس عہد کو اللہ کا عہد سمجھتا ہوں۔ نیز میری بیبیوں کو طلاق اور میرے غلام آزاد ہو جائیں اگر عہد شکنی کروں اور مکّہ تک پیادہ پا حج کرنا مجھ پر لازم ہوگا۔ (ص ۴۲ کامل۔ ج ۵) لیکن قابو پانے کے ساتھ ہی اس نے عباسی دعوت یہ کہتے ہوئے شروع کی کہ وہ بھی اہلِ بیت ہی سے ہیں۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ بنی اُمیہ کو ختم کر کے جب عباسیوں نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو قدیم پایۂ تخت یعنی دمشق میں رہنا مصلحت کے خلاف سمجھا گیا اور عراق کو مختلف وجوہ سے ترجیح دی گئی۔ کوفہ میں ابن ہبیرہ (کوفہ میں بنوامیہ کا آخری گورنر) کا ایک مستحکم اور خوبصورت محل بنا ہوا تھا' اسی میں سفاح نے قیام اختیار کیا اور جلد جلد بہت سے مکانوں کا اس کے ساتھ اضافہ کر کے شاہی آبادی کا نام ''ہاشمیہ'' رکھا گیا۔ لیکن لوگوں کی زبان پر ''قصر ابن ہبیرہ'' مدتوں کا چڑھا ہوا تھا۔ لاکھ کوشش کی گئی کہ ''ہاشمیہ'' کا نام اس کی جگہ چلے' مگر نہ چلا۔ تب ابن ہبیرہ کے قصر کو چھوڑ کر اس کے سامنے کی زمین میں ایک جدید آبادی قائم کی گئی جس میں اپنے لاؤلشکر کے ساتھ خلیفہ نے بھی اپنا محل تعمیر کیا اور اب اس جدید آبادی کا نام ''ہاشمیہ'' رکھا گیا۔

(ماخوذ از: ''حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی'' —— انتخاب: انجینئر نوید احمد)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور دُعا

''عظمتِ صیام وقیامِ رمضان المبارک'' سے ماخوذ

مرتبہ: کرن' لاہور

دعا

دُعا کے معانی ہیں: ''پکارنا''۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) (ترمذی) ''دُعا عبادت کا جوہر ہے''۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (ترمذی) ''دعا ہی اصل عبادت ہے۔''

دعا صرف اور صرف اللہ سے ہی کرنی چاہیے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص:۸۸) ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود مت پکارو۔''

آیئے دیکھتے ہیں ہمارے عظیم داعی الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس ضمن میں محترم ڈاکٹر صاحب کے خطابات سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں:

(۱) اللہ قریب ہے

ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۸۶) ''اور (اے نبی ﷺ!) جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے دریافت کریں تو کہہ دیں میں نزدیک ہی ہوں۔''

جب بندۂ مؤمن کی روح کو جلا ملتی ہے اور جب اس کے قلب میں شکر کا جذبہ اُبھرتا ہے تو عین تقاضا ہے کہ تعلق مع اللہ میں جوش وولولہ اور شدّت پیدا ہو۔ طبیعت میں اللہ سے مانگنے' اس سے سوال کرنے' اس کے آگے ہاتھ پھیلانے' اس کے سامنے گڑگڑانے' اس سے استغفار کرنے' اس سے عفو ومغفرت طلب کرنے' اس کی طرف رجوع کرنے اور اپنی خطاؤں سے توبہ کرنے کے جذبات موجزن ہوں۔ گو جب بندہ اللہ کی طرف ہمہ تن' یکسو ہو کر متوجہ ہوتا ہے تو

فطری طور پر اس کے دل میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میرا رب مجھ سے کتنا نزدیک ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جب میرے بندے میرے بارے میں آپؐ سے دریافت کریں تو میری طرف سے ان سے کہہ دیں: ﴿فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ ''پس میں نزدیک ہی ہوں''۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری اور بیماری ہماری غفلت ہی ہے۔ ہماری توجّہ اللہ کی بجائے دنیا کی طرف اور اپنے نفس کی طرف ہے۔ اللہ کی طرف متوجّہ ہو جانا ہی حقیقت میں ہماری ہدایت کا اصل راز ہے۔ جب روحِ کلامِ ربّی سے تقویّت پاتی ہے اور اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تو اپنے ربّ کو بہت قریب پاتی ہے۔

(۲) اللہ کتنا قریب ہے؟

اللہ بندوں سے کتنا قریب ہے؟ اس کے ضمن میں سورۂ قٓ کی آیت ۱۶ ملاحظہ ہو: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝۱۶﴾ ''اور ہم تو انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

اللہ کی معیت کے لیے سورۃ الحدید کی آیت ۴ کے الفاظ قابل غور ہیں: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ ''اور جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔''

اپنے ربّ کو ڈھونڈنے کے لیے' اس سے مناجات کرنے کے لیے' اس سے راز و نیاز کرنے کے لیے' اس سے عرض ومعروض کرنے کے لیے' اس سے حاجت طلب کرنے کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں' وہ بالکل قریب ہے۔ اگلی بات فرمائی: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ ''میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب مجھے پکارے''۔ یہ تو تم ہو کہ ہماری طرف رُخ نہیں کرتے اور متوجہ نہیں ہوتے۔ بقول اقبال: ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں!

(۳) ہر رات ''ہے کوئی مانگنے والا؟'' کی صدا

حدیث میں آیا ہے کہ ہر رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پھر ایک صدا ہوتی ہے' ایک ندا لگتی ہے:

هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَيُغْفَرُ لَهٗ؟ (مسلم)

''ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی پکارنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی گناہوں سے بخشش چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے؟''

تو غائب اللہ سے ہم ہیں' وہ تو غائب نہیں' وہ تو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

(۴) اللہ سے دوری کی وجہ

اللہ سے دوری کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ وہ تو ہر جگہ ہر آن موجود ہے' ہماری توجیہات کسی اور طرف ہیں۔ ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ''میں نے متوجّہ کرلیا اپنے چہرے کو اس کی طرف جس نے بنائے زمین و آسمان' سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں مشرکوں میں سے''۔ (الانعام:۷۹) یہ دوسری بات ہے کہ الفاظ کہہ دینے کے باوجود توجہ اللہ کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اپنے حساب و کتاب میں لگی رہتی ہے' دماغ اپنے دُنیوی معاملات کی چکی ہی پیستا رہتا ہے۔ جبکہ یکسوئی' حضوری کی کیفیت ہو تو یہ معاملہ ہوتا ہے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی!

(۵) اللہ کا دربار ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے

تمام قدیم مذاہب نے اللہ اور بندے کے ربط و تعلق کا مسئلہ ایک لاینحل گتھی بنا رکھا ہے۔ اکثر مذاہب نے تو اللہ کو اتنا دور فرض کرلیا ہے کہ اس تک براہِ راست رسائی گویا ممکن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے تمام مذاہب نے اللہ کے دربار تک رسائی کے لیے بے شمار واسطے اور وسیلے گھڑ لیے ہیں۔ قرآن نے اس وہم کو دور کر کے صاف صاف بتا دیا ہے کہ جسے تم دور سمجھ رہے ہو وہ تو تمہارے بالکل قریب ہے۔ اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب چاہو' جہاں چاہو اس سے ہم کلام ہو جاؤ۔ اقبال کہتے ہیں کہ اللہ کا ارشاد اس طرح ہے کہ یہ جو میرے دربان بن کر بیٹھ گئے ہیں کہ ان کو خوش کیے بغیر مجھ تک رسائی نہیں ہو سکتی' یہ سب ڈھکوسلا ہے۔ ان کو ہٹا دو' میرا دربار ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ یہاں کسی کے لیے کوئی قدغن نہیں ہے۔ خلوص کے ساتھ جب اور جہاں چاہو مجھے پکارو اور مجھ سے جو چاہو مانگو ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

(۶) بندے کا اللہ سے تعلق براہِ راست ہے

یہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری دعا کسی پوپ' پادری' پروہت' پجاری' پنڈت یا کسی پیر ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچ سکتی ہے۔ دیکھئے عجب اتفاق ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہونے والے سب مہاپرشوں کے نام ''پ'' سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ ان سب خود ساختہ واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا تعلق بندے سے براہِ راست ہے' یہاں کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) اللہ سے تعلق کے مابین ایک حجاب

اللہ اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہے اور وہ ہیں ہم خود۔ ہماری حرام خوری حجاب بنی ہے' ہماری غفلتیں حجاب بنی ہوئی ہیں۔ اپنی غفلتوں کا پردہ چاک کریں اور آج ہی اللہ کی جناب میں توبہ کریں۔ وہ ہر آن' ہر لحظہ ہماری دعاؤں کا سننے والا ہے۔ وہ تو ہمیشہ ہی قریب رہتا ہے۔ کتنی بشارت ہے اللہ کے اس فرمان میں ہمارے لیے کہ میں ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ کتنی تسلّی' تسکین اور راحت کا سامان رکھ دیا گیا ہے' کتنی آزادی کا پیغام ہے انسان کے لیے۔ دنیا میں انسانی حقوق کے منشور (Magnacharta) کی بہت دھوم ہے' جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا میگنا کارٹا اور کوئی نہیں کہ اللہ سے ربط و تعلق' اس سے فریاد' اس سے استغاثہ' اس سے حاجت روائی کی درخواست میں کوئی ''پ'' سے شروع ہونے والا حائل نہیں ہے۔

(۸) مرشدین سے فیض کی نفی نہیں

میں صوفیائے کرام کے سلسلۂ ارشاد کی نفی نہیں کر رہا۔ کوئی خدا ترس مرشد ہو' جو قرآن و سنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کرنے اور صحیح طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلانے والا ہو تو ﴿كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کی قرآنی ہدایت کے مطابق ایسے مرشدین سے ضرور فیض حاصل کرنا چاہیے۔ لیکن ہمارے ہاں جو پیری مریدی کا عام اور غلط تصوّر رائج ہے' اس کے اعتبار سے میں اس کی نفی کر رہا ہوں۔

(۹) عظیم خوشخبری

اس آیت مبارکہ میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے خوشخبری دی جا رہی ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ﴾

''اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپؐ سے دریافت کریں تو (ان سے کہہ دیں کہ) بے شک میں تو بہت قریب ہوں۔''

آپ کو معلوم ہوگا کہ دعا کے لیے وضو بھی شرط نہیں ہے۔ آپ حالت ناپاکی میں بھی دعا مانگ سکتے ہیں۔ دعا پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ آپ ہر حال میں اپنے رب کے حضور دست سوال دراز کر سکتے ہیں۔

(۱۰) اللہ کی حکمتیں

ایک بات یاد رہے کہ آیت کے اس حصے میں پکارنے والے کی ہر پکار سننے اور جواب دینے کا ذکر ہے۔ یہاں یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ ہر دعا کے قبول کرنے کا حتمی وعدہ بھی ہے۔ بے چارے بندے کو کیا خبر کہ وہ جو دنیوی چیز اللہ سے مانگ رہا ہے' اس میں اس کے لیے خیر ہے یا شر؟ کون سی شے اس کے حق میں مفید ہوگی اور کون سی مضر؟ دعائیں وہی قبول ہوں گی جو اللہ کی رحمت و حکمتِ مطلق کے منافی نہیں ہوں گی۔ لیکن نبیٔ رحمت ﷺ نے یہ خوشخبری دی ہے کہ بندۂ مؤمن کی کوئی دعا نہ رد ہوتی ہے' نہ ضائع۔ وہ جس چیز کے لیے دعا کرتا ہے اگر تو اللہ کے علم کاملہ میں وہ بندے کے حق میں مفید ہوتی ہے تو اسے عطا کر دی جاتی ہے' یا پھر اس سے بہتر چیز عنایت ہوتی ہے' یا پھر اللہ اس دعا کو بندے کے حق میں نیکی قرار دے کر اس کے اجر و ثواب کو آخرت کے لیے محفوظ فرما دیتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ آخرت میں انسان آرزو کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی اور ان دعاؤں کے عوض مجھے اب اجر و ثواب ملتا۔ لہٰذا بندۂ مؤمن کی کوئی دعا ضائع نہیں ہوتی۔ وہ ماقبل بیان کردہ صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں قبول ضرور ہوتی ہے۔

(۱۱) دو شرائط

اسی آیت کے اگلے حصے میں دو شرائط کا بیان آ رہا ہے:

پہلی: فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي دوسری: وَلْيُؤْمِنُوا بِي

پہلی شرط میں فرمایا کہ میرے بندوں کو بھی چاہیے کہ میرا حکم مانیں' میری پکار پر لبّیک کہیں۔ میں جب پکاروں فوراً حاضر ہو جائیں' جس چیز کا حکم دوں بجا لائیں' جس کام سے اور جس چیز سے روک دوں' رک جائیں: ''پس انہیں بھی چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں''۔ یعنی یک طرفہ معاملہ نہیں چلے گا' جیسے سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ ﴾ (آیت ۴۰)

''تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا ہے' میں اُس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے۔''

سورۂ ابراہیم میں ارشاد فرمایا:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝﴾

''اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہوگا۔''

سورۂ محمد میں ارشاد ہوا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾

''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔''

جیسے اس کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

دوسری شرط پختہ ایمان کی ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری دعائیں قبول کروں تو تم بھی مجھ پر پختہ ایمان رکھو۔ یقین کامل رکھو کہ مجھ سے مانگ کر تم کبھی محروم نہیں رہو گے۔ گہرائی والے ایمان کی ضرورت ہے۔ دل سے' ایمان سے' یقین سے دعا مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوگی ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے!

حدیثِ قدسی

ایک حدیث قدسی میں بڑے پیارے الفاظ آئے ہیں:

''میرا بندہ میرے بارے میں جو یقین رکھتا ہے میں ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ فرماتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے ساتھیوں میں یاد کرتا ہے تو میں اسے بہتر ساتھیوں (ملاءِ اعلیٰ' ملائکہ مقربین کی محفل) میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت بھر میرے قریب آتا ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہوں۔'' (رواہ البخاری و مسلم)

❁❁❁

نیک والدین اور اولاد

ایک دوسرے کے لیے باعثِ بلندیٔ درجات

حافظ محمد مشتاق ربّانی

قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے کہ قیامت کے روز انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا' اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ البتہ جس کی وجہ سے کوئی آدمی گمراہ ہوا' اس گمراہی کا وبال اس پر بھی پڑے گا جس نے اسے گمراہ کیا اور گمراہ آدمی اس وجہ سے نہیں بچ جائے گا کہ وہ کسی دوسرے کے بہکاوے میں آ گیا۔ گویا دونوں اپنے اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل ظاہر ہو رہی ہے۔ لیکن دوسری طرف نیک اور پرہیزگار والدین اور اولاد کا معاملہ مختلف ہے۔ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور فضل کا اظہار ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کیسے!

اولاد اگر مسلمان ہے اور عمل میں کسی قدر کوتاہی رہ گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نیک والدین کے صدقے اولاد کے درجات بلند کر کے نیک والدین کے ساتھ ملا دے گا جبکہ والدین کے اجر میں کسی درجہ کمی نہ ہوگی۔ یہ اس لیے ہوگا کہ اولاد کو اپنے ساتھ دیکھ کر والدین کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ﴾ (الطور: ۲۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بحالتِ ایمان ان کا اتّباع کیا' ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی کمی نہ کریں گے۔''

اس آیت میں وارد یہ مضمون سورۃ الرعد آیت ۲۳ اور سورۃ المومن آیت ۸ میں بھی بیان ہو چکا ہے' لیکن یہاں ان دونوں مقامات سے بڑھ کر بات بیان ہوئی ہے۔ سورۃ الرعد میں بیان ہوا کہ اہلِ جنت کے آباء و اَجداد' ان کی اولاد اور ان کی ازواج میں سے جو لوگ نیک ہوں

گے وہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ سورۃ المومن میں ارشاد ہوا کہ فرشتے اہلِ ایمان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی اولاد' ازواج اور آباء و اجداد میں سے جو نیک ہوں' انھیں بھی جنت میں ان سے ملا دے۔ سورۃ الطّور کے اس مقام پر اولاد کو والدین سے ملانے کے لیے ایک شرط عائد کی گئی کہ اولاد صاحبِ ایمان ہو' مسلمان ہو اور والدین کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہو۔

یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ والدین کا درجہ کم کر کے ان کی اولاد کے ساتھ ان کو ملا دیا جائے گا' بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا ذکر ہوا کہ اولاد کا درجہ بڑھا کر ان کو والدین کے مرتبے تک پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے لیے ''اَلْحَقْنَا بِ'' فعل استعمال ہوا ہے جس کا معنی یہ نہیں ہے کہ والدین سے ملاقات کرا کے پھر انہیں ان کے مقام پر پہنچا دیا جائے گا' بلکہ اس کے معنی کسی کو پا لینے کے ہیں۔ جیسے دعائے قنوت میں ہے: اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ''بے شک (اے اللہ) تیرا عذاب کفار کو مل کر یا پہنچ کر رہنے والا ہے''۔ الحاق کا لفظ تو ہم اُردو میں بھی استعمال کرتے ہیں' جیسے کہتے ہیں فلاں دفتر کالج سے ملحقہ عمارت میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دفتر کی عمارت کالج کی عمارت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

والدین کے بلند درجے تک پہنچنے کے لیے ایمان کی شرط عائد کی گئی ہے' لیکن اگر اولاد مسلمان نہیں ہے اور ان کے اعمال مشرکانہ ہیں تو اس صورت میں نیک والدین ان کے لیے باعثِ نجات نہیں ہیں۔ چنانچہ سورۃ الطّور کی اس آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾﴾

''ہر آدمی اس کمائی کے بدلے گروی ہوگا جو اس نے کمائی کی ہوگی۔''

یہ مضمون قرآن حکیم میں ایک سے زائد مرتبہ مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے' جیسے فرمایا:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ﴾ (فاطر:۱۸)

''اور (قیامت کے روز) کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اُٹھانے والی نہیں بنے گی۔''

اولاد اگر صاحبِ ایمان نہیں تو ان کے والدین بھی ان کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے حضرت نوح علیہ السلام کی واضح مثال موجود ہے کہ جب آپؑ نے اپنے بیٹے کے لیے دعا کی: ﴿رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ﴾ (ھود:۴۵) ''اے میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے آپؑ کے اہل میں سے ماننے سے انکار فرما دیا۔

﴿قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۫ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾(ھود)

''فرمایا: اے نوحؑ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے' اس کا عمل نیک نہیں ہے' مجھ سے اس چیز کی درخواست نہ کرو جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ بنو۔''

اس بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال بھی سامنے آتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کے لیے امام بناؤں گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: میری اولاد میں سے بھی امام و رہنما ہوں گے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ (البقرۃ) ''میرا یہ عہد ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جو ظالم ہوں گے''۔ یعنی یہ وعدہ آپ کی اس اولاد سے تعلق رکھتا ہے جو صالح ہو۔ ان میں سے جو ظالم ہوں گے ان کے لیے یہ اعزاز نہ ہوگا۔

جس طرح نیک والدین اپنی اولاد کے لیے بلندیٔ درجات کا باعث ہیں اسی طرح نیک اولاد بھی اپنے والدین کے لیے درجات میں بلندی اور مغفرت کا سبب ہے۔ اس بات کو بعض مفسّرین کرام نے اس آیت سے اخذ کیا ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ﴾(یٰس:۱۲)

''ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مُردوں کو اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان اُن کے پیچھے رہے۔''

اس آیت میں لفظ ''آثار'' نہایت توجّہ کا متقاضی ہے۔ اس میں ایسی نیک اولاد بھی شامل ہے جو والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہو۔ اس سلسلے میں کئی احادیث نبویہ بھی منقول ہیں۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''حسن'' درجہ کی روایت ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ؟ فَيَقُوْلُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ))

''جنت میں اللہ تعالیٰ نیک آدمی کا درجہ بلند کرے گا تو وہ کہے گا: اے میرے رب! میرا یہ درجہ کیسے بلند ہو گیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ تیری اولاد تیری بخشش کے لیے دعا کرتی تھی۔''

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ))

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل کرنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے' البتہ تین ذرائع سے اس کو اجر پہنچتا رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ کی صورت میں' دوسرا نفع بخش علم سکھانے سے اور تیسرا اُس کی نیک اولاد کی صورت میں جو اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہو۔''

اس لیے مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے رہیں:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (الاسراء)

''اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جس طرح انھوں نے میری چھوٹے ہوتے میری پرورش کی۔''

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے والدین پر رحم فرمائے' ان کے درجات بلند کرے' ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ جس طرح وہ ایمان اور اسلام کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے' اللہ تعالیٰ ہمارا بھی خاتمہ ایمان کے ساتھ فرمائے اور جس ایمان والی زندگی پر وہ جیتے رہے' ہمیں بھی اسی ایمان والی زندگی پر زندہ رکھے۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراھیم)

''پروردگار! مجھے بھی نماز پر کاربند رکھ اور میری اولاد کو بھی۔ پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ پروردگار! میری مغفرت فرما دے اور میرے والدین کی اور تمام اہلِ ایمان کی جس روز حساب قائم ہوگا۔''

❁❁❁

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

نومولود کے حقوق

حافظ محمد زاہد ☆

بچے بنی نوع انسان کی نسل نو ہیں' انہی سے نسلیں آگے چلتی ہیں اور یہ بچے ہی کسی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ کسی بھی قوم کے مستقبل کے تحفظ کی ضمانت اِس امر میں مضمر ہے کہ اس کے بچوں کی تربیت' تعمیر شخصیت اور تشکیل کردار پر خصوصی توجہ دی جائے۔ یہ امر اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک معاشرے میں بچوں کے حقوق سے واقفیت اور ان کے حقوق کا اِحترام موجود نہ ہو۔ اِسلام نے دیگر افرادِ معاشرہ کی طرح بچوں کے حقوق کو بھی پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ نے بچوں کے ساتھ جو شفقت اور محبت پر مبنی رویہ اختیار فرمایا وہ معاشرے میں بچوں کے مقام و مرتبہ کا عکاس بھی ہے اور ہمارے لیے راہِ عمل بھی۔

ہم اس تحریر میں ''نومولود'' کے حقوق کا تذکرہ کریں گے کہ پیدائش کے متصل بعد کون کون سے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا والدین کے ذمے ہے۔ اسلام نے ''نومولود'' کو درج ذیل حقوق دیے ہیں:

پہلا حق: زندگی اور جان کا تحفظ

نومولود کا سب سے پہلا حق جو والدین کے ذمے فرض ہے' وہ اس کی زندگی اور جان کا تحفظ ہے۔ اِسلام سے پہلے لوگ اپنی اولاد کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ اِسلام نے اِس قبیح رسم کو ختم کیا اور ایسا کرنے والوں کو عبرت ناک انجام کی وعید سنائی:

﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢبِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ (الانعام)

☆ ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی لاہور۔ pmzahids@yahoo.com

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ (۲۸/اگست ۲۰۱۰ء) کو میرے ہاں ایک بیٹے ''محمد حسن زاہد'' کی ولادت ہوئی' جس کے لیے میں نے ''نومولود کے حقوق'' کا مطالعہ کیا اور پھر اسے ایک مضمون کی شکل دے دی۔

''واقعی ایسے لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بغیر علم (صحیح) کے (محض) بیوقوفی سے قتل کر ڈالا اور ان (چیزوں) کو جو اللہ نے انہیں (روزی کے طور پر) بخشی تھیں ان پر بہتان باندھتے ہوئے حرام کر ڈالا' بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت یافتہ نہ ہو سکے۔''

اسلام سے پہلے بھی لوگ اپنے نومولود بچوں کو بھوک اور افلاس کے ڈر سے قتل کر دیتے تھے اور آج بھی ہمارے معاشرے میں بعض لوگ بچوں کو پیدا ہوتے ہی بے رحمی سے مار ڈالتے ہیں یا اپنے ہاتھوں سے تو ان کی جان نہیں نکالتے اور پیدائش کے بعد انہیں کسی ویران جگہ پر مرنے کے لیے پھینک دیتے ہیں☆ قرآن حکیم نے آج سے چودہ سو سال پہلے قتلِ اولاد کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ﴾ (الانعام:۱۵۱)

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو' ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

اس آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ اللہ جیسے تمہارا ''رب'' ہے اور تمہیں رزق دیتا ہے اسی طرح اللہ تمہارے بچوں کا بھی ''ربّ'' ہے اور ان کے رزق کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اس فعل کو ''بڑی غلطی اور کبیرہ گناہ'' قرار دیا گیا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾﴾ (بنی اسرائیل)

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو' ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی' بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

اسلام سے قبل بیٹیوں کی پیدائش کو نہایت برا اور قابلِ توہین سمجھا جاتا تھا اور انہیں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اِسلام نے اس خیالِ باطل کا رد کیا اور بیٹیوں کی پیدائش کو باعثِ رحمت قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ)) (۱)

''جس نے دو بچیوں کو پالا پوسا اور ان کی اچھی طرح پرورش کی یہاں تک کہ جوان ہو گئیں'

☆ ایدھی فاؤنڈیشن کی رپورٹ کے مطابق انہیں ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں سالانہ ۱۲۰ نومولود مُردہ حالت میں اور ۱۸۰ زندہ حالت میں بے یار و مددگار ملتے ہیں۔ یہ صرف ایک فلاحی ادارے کی رپورٹ کا تذکرہ ہے' ورنہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح ہوں گے' اور آپؐ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔''

دوسرا حق: نومولود کے نسب کا تحفظ

نومولود کا ایک حق یہ ہے کہ والدین اس کے ساتھ اپنے نسب کو جوڑیں' یعنی اس کے نسب کا تحفظ کریں۔ نسب کا تحفظ نومولود کے ساتھ ساتھ والدین کا بھی حق ہے—— والدین کے بڑھاپے میں اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت کریں' ان کا سہارا بنیں—— اگر والدین اپنی اولاد کے ساتھ اپنا نسب ختم کر دیں گے تو پھر ان کا سہارا کون بنے گا؟

اسلام کے معاشرتی نظام میں ''نسب'' بہت اہمیت کا حامل ہے' اس لیے کہ اسی بنیاد پر آگے کے سارے معاملات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نسب کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ ﴾(الاحزاب :٥)

''تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے باپوں (ہی کے نام) سے پکارا کرو' یہی اللہ کے نزدیک انصاف پر مبنی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جانتے بوجھتے اپنا نسب تبدیل کرنے والے پر جنت کو حرام قرار دیا:

((مَنِ ادَّعٰی اَبًا فِی الْاِسْلَامِ غَیْرَ اَبِیْهِ یَعْلَمُ اَنَّهٗ غَیْرُ اَبِیْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ))(٢)

''جو کوئی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے متعلق دعویٰ کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں' تو اس پر جنت حرام ہے۔''

تیسرا حق: نومولود کے کان میں اذان واقامت کہنا

پیدائش کے فوراً بعد نومولود کا حق یہ ہے کہ اس کے والدین اس کے کانوں اور کانوں کے ذریعے اس کے دل و دماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید سے آشنا کرائیں۔ اس کے لیے نومولود کے کان میں اذان واقامت کہی جاتی ہے۔ یہ نومولود کو اسلام سے روشناس کرانے کی پہلی منزل ہے اور اس کے ذریعے اُسے باور کرایا جاتا ہے کہ اس کا مذہب ''اسلام'' ہے جو دین فطرت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع ؓ سے روایت ہے:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ (٣)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نواسے حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے دیکھا (جب آپ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہ ؓ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔''

اس روایت میں نومولود کے کان میں صرف اذان کہنے کا تذکرہ ہے جبکہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نومولود کے داہنے کان میں اذان اور باہنے کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم وترغیب دی اور اس کی برکت وتاثیر کا ذکر بھی فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ امّ الصّبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔ امام حسین ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس کے ہاں بچہ کی ولادت ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے' اس کی برکت سے بچہ کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچا سکے گی۔'' (٤)

بچوں کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے شناسا کرانا ماں باپ کا فرض ہے اور اس کی ابتدا نومولود کے کان میں اذان واقامت کہنے کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔ نیز اذان واقامت کی ایک تاثیر احادیث میں یہ وارد ہوئی ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے۔ چنانچہ نومولود کے کان میں اذان واقامت کہنے سے بچہ کی حفاظت کا انتظام بھی ہو جاتا ہے۔

چوتھا حق: نومولود کے لیے برکت کی دعا اور گھٹی دینا (عمل تحنیک)

کوئی چیز مثلاً کھجور کو چبا کر بچے کے تالو پر مل دینا اور بچے کے لیے برکت کی دعا کرنا ''تحنیک'' کہلاتا ہے۔ صحابہ کرام ؓ کو نبی اکرم ﷺ سے جو گہرا تعلق تھا اس کا ایک مظہر عمل تحنیک ہے کہ صحابہ کرام اپنے بچوں کو حضور ﷺ کے پاس لاتے' آپ ﷺ کھجور کو چبا کر بچوں کے تالو پر مل دیتے اور بچوں کے لیے خیر وبرکت کی دعا فرماتے۔

ہمارے معاشرے میں اس عمل کے لیے ''گھٹی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ آج بھی والدین کو چاہیے کہ اس سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے نومولود بچوں کو کسی مقبول اور صالح بندے یا گھر کے بزرگ سے عمل تحنیک کروائیں اور بچوں کے لیے خیر وبرکت کی دعا کروائیں۔

کتب احادیث میں عمل تحنیک (گھٹی) کے بہت سے واقعات مروی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ یُؤْتٰی بِالصِّبْیَانِ فَیُبَرِّكُ عَلَیْهِمْ وَ یُحَنِّكُهُمْ (٥)

''لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ﷺ ان کے لیے خیر وبرکت کی دعا فرماتے اور تحنیک فرماتے۔''

اسی طرح اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں مکہ میں حمل سے تھیں، ہجرت کے دوران ''قباء'' کے مقام پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، میں بچے کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بچے کو حضور ﷺ کی گود میں رکھ دیا:

ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِيْ فِيْهِ ثُمَّ حَنَّكَهُ ثُمَّ دَعَا لَهُ وَ بَرَّ كَ عَلَيْهِ(٦)

''پھر آپ ﷺ نے کھجور منگوائی، اس کو چبایا، اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس کے تالو پر ملا۔ پھر اس کے لیے دعا کی اور برکت سے نوازا۔''

پانچواں حق: نومولود کا اچھا نام رکھنا

نومولود کا ایک حق یہ ہے کہ اس کا اچھا اور بامعنی نام رکھا جائے۔ اس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قیامت کے دن انسان کو اس کے نام سے پکارا جائے گا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَأَحْسِنُوْا أَسْمَائَكُمْ)) (٧)

''روزِ قیامت تم اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، اس لیے اپنے اچھے نام رکھا کرو۔''

احادیث سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعض صحابہ وصحابیات کے نام بدل دیے تھے۔ مثلاً رسول اکرم ﷺ نے ''عاصیہ'' کا نام بدل کر ''جمیلہ'' رکھ دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر والدین نومولود کا ایسا نام رکھ دیں جس کے معنی ٹھیک نہ ہوں تو سمجھ بوجھ آنے کے بعد نام بدل دینے چاہئیں۔

چھٹا حق: رضاعت (ماں کا نومولود کو دودھ پلانا)

فقہی اصطلاح میں بچے کا پیدائش کے بعد پہلے دو سال ماں کے سینہ سے دودھ چوسنا رضاعت کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے متعلق تقریباً تمام اصول یکجا بیان کر دیے۔ فرمایا:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۘ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ

ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (البقرۃ)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے۔ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے۔ نہ تو ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا۔ پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب دیکھنے والا ہے۔''

پیدائش کے بعد بچے کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور افزائش کے لیے ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی اور غذا استعمال کرے، اس لیے وضع حمل کے بعد عورت کے پستانوں میں قدرتی طور پر دودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچے کے لیے ماں کے دل میں پیدا ہونے والی محبت وشفقت اسے بچے کو دودھ پلانے پر اکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ بچے کو پورے دو سال دودھ پلائے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچے کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

جدید میڈیکل ریسرچ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کے جسمانی ونفسیاتی تقاضوں کے پیش نظر دو سال کی مدتِ رضاعت ضروری ہے۔ یہ اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اہل اسلام کو زندگی کے وہ رہنما اصول ابتدا ہی میں عطا کر دیے گئے جن کی تائید و تصدیق صدیوں بعد کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

ساتواں حق: عقیقہ کرنا اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا

دنیا کی تقریباً تمام تہذیبوں اور معاشروں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچے کی پیدائش کو ایک نعمت اور خوشی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعے اس خوشی کا اظہار کیا جاتا

ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی عربوں میں عقیقہ کا رواج تھا۔وہ بچے کی پیدائش پر اس کے بال صاف کروا دیتے اور جانور ذبح کرتے تھے۔آپ ﷺ نے اس کو جاری رکھا اور خود عقیقہ کر کے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى))(۸)

''ہر بچہ اپنے عقیقے کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے' جسے ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے' بچے کا سر منڈوایا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔''

یہود کے ہاں بھی عقیقہ کا رواج تھا' لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی اور یہ حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔لڑکا اور لڑکی میں قدرتی فرق اور قانونِ میراث وشہادت وغیرہ میں تناسب کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کی طرف سے ایک بکری اور لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وُّلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسَكَ عَنْهُ فَلْيَنْسِكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً)) (۹)

''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے جانور قربان کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کرے۔''

عقیقہ کے بارے میں چند باتیں نوٹ کر لیں:

(۱) عقیقہ کرنا فرض یا واجب نہیں ہے' اگر وسعت اور طاقت ہو تو پھر عقیقہ کرنا بہتر ہے۔اسی طرح لڑکے کی طرف سے دو بکروں کی قربانی کرنا بھی وسعت کے ساتھ مشروط ہے۔

(۲) عقیقہ کا گوشت گھر والے بھی کھا سکتے ہیں اور رشتے داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں' بہتر یہ ہے کہ قربانی کی طرح عقیقہ کا گوشت بھی تین حصوں میں تقسیم کر لیا جائے' ایک حصہ گھر کے لیے' دوسرا حصہ رشتے دار' دوست واحباب اور پڑوسیوں کے لیے اور تیسرا حصہ غرباء کے لیے۔

(۳) عقیقہ کے لیے کوئی وقت بھی معین نہیں ہے' البتہ ساتویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے' اس لیے کہ بعض احادیث میں ساتویں دن عقیقہ کرنے کا تذکرہ موجود ہے' مثلاً ماقبل حضرت سمرہ

بن جندب ؓ کی روایت میں ''يَوْمَ سَابِعِهٖ'' مذکور ہے۔امام ترمذی نے اس حوالے سے لکھا ہے: ''اہل علم کے نزدیک ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے' اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن اور اگر اس دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔''

نومولود کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا: بعض احادیث میں عقیقہ کے سلسلے میں جانور ذبح کرنے کے علاوہ نومولود کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن ؓ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ سے فرمایا:

((اِحْلِقِيْ رَأْسَهٗ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً))قَالَ فَوَزَنْتُهٗ فَكَانَ وَزْنُهٗ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ(۱۰)

''اس کا سر صاف کر دو اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو''۔وہ فرماتی ہیں کہ میں نے وزن کیا تو ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھا۔''

بچہ کی پیدائش پر جانور کی قربانی کے ساتھ بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا مستحب ہے۔صاحب معارف الحدیث اس بارے میں لکھتے ہیں:

''بعض حضرات نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ حضرت حسن کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی ؓ) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کر دی لیکن حضرت فاطمہ ؓ سے فرما دیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دیں تاکہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور ہو جائے۔''(۱۱)

آٹھواں حق: نومولود کا ختنہ کرنا

ختنہ شعائر اسلام میں سے ہے اور یہ ایک فطری سنت ہے' جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے:

((خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَ نَتْفُ الْاِبْطِ وَ تَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ))(۱۲)

''پانچ چیزیں فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرانا' زیر ناف بال مونڈنا' بغلوں کے بال اکھیڑنا' ناخن تراشنا اور مونچھیں کاٹنا۔''

ختنہ کرنے کا کوئی خاص وقت نہیں ہے' جب بچے کے اندر ختنے کی تکلیف برداشت

کرنے کی طاقت ہو جائے تو ختنہ کرا دینا چاہیے' البتہ بلوغ سے پہلے پہلے کرا دینا چاہیے۔
امام نوویؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''سربراہ کو چاہیے کہ بچپن میں ہی بچے کا ختنہ کر دے کیونکہ اس میں بچے کے لیے زیادہ آرام اور شفقت ہے۔''(۱۳)

ختنہ کے بچہ کی صحت پر کافی مفید اثرات پڑتے ہیں' اس بارے میں ڈاکٹر محمد علی البار (کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پروفیسر) اپنی کتاب ''الختان'' میں لکھتے ہیں:

''پیدا ہونے والے بچوں (یعنی عمر کے ابتدائی مہینوں میں) کا ختنہ کرنا صحت کے لیے کئی ایک طرح سے مفید ہے' مثلاً پیشاب کی نالی میں سوجن اور جلن سے بچاؤ' پیشاب کی نالی کے سرطان سے بچاؤ' جنسی امراض سے بچاؤ وغیرہ۔''(۱۴)

حاصل کلام

اِسلام نے دیگر افرادِ معاشرہ کی طرح نومولود اور بچوں کو بھی زندگی اور دیگر بنیادی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے ایک مثالی تہذیب کی بنیاد رکھی ہے۔ نومولود کے حقوق کے بارے میں ہم ذرا سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ اعمال کو بچے کی پیدائش کے موقع پر پوری طرح ادا نہیں کرتے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے حقوق کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ))(۱۵)

''آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے حقوق ضائع کر دے جن کی روزی کا وہ ذمہ دار ہے۔''

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اولاد کے حقوق کا خاص خیال رکھیں اس لیے کہ اولاد شرعی طور پر ایسا ذخیرہ ہے کہ انسان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ' اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ' اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ' اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ))(۱۶)

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (کہ ان کا فیض پہنچتا رہتا ہے): صدقہ جاریہ' علم نافع (یعنی وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو) اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

لہٰذا کسی بھی والدین کو یہ نعمت اس وقت ہی حاصل ہوگی جب وہ اپنے بچوں کے حقوق ادا کرنے کا خاص خیال رکھیں گے۔

حواشی:

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب فضل الاحسان الی البنات۔
(۲) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم۔
(۳) سنن الترمذی' کتاب الاضاحی عن رسول اللہ ﷺ' باب الاذان فی اذن المولود۔ وسنن ابی داود' کتاب الادب' باب فی الصبی یولد فیؤذن فی اذنه۔
(٤) رواه البیهقی فی شعب الایمان
(٥) صحیح مسلم' کتلب الاداب' باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته.....
(٦) ایضًا (۷) سنن ابی داوٗد' کتاب الادب' باب فی تغییر الاسماء۔
(۸) سنن ابی داوٗد' کتاب الادب
(۹) سنن ابی داوٗد' کتاب الضحایا' باب فی العقیقة۔ وسنن النسائی' کتاب العقیقة' باب متی یعق۔
(۱۰) سنن الترمذی' کتاب الاضاحی عن رسول الله ﷺ' باب العقیقة بشاة۔
(۱۱) معارف الحدیث' ج ٦' ص ۲۷۳۔
(۱۲) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب قص الشارب۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب خصال الفطرة۔
(۱۳) المجموع للنووی' ج۱' ص۳۵۱۔
(۱٤) الختان از ڈاکٹر محمد علی البار' ص ۷٦۔
(۱٥) سنن ابی داؤد' کتاب الزکاة' باب فی صلة الرحم۔
(۱٦) صحیح مسلم' کتاب الوصیة' باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته۔ یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کی باقی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 25 روپے

تحریک تجدّد اور متجدّدین (۴)

حافظ محمد زبیر

ڈاکٹر یوسف قرضاوی

پیدائش اور ابتدائی و اعلیٰ تعلیم

ڈاکٹر یوسف قرضاوی جمہوریہ عربیہ مصر میں ایک گاؤں 'صفت تراب' میں ۹ ستمبر ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے اور تاحال حیات ہیں۔ ان کی عمر اس وقت پچاسی برس کے لگ بھگ ہے۔ دو سال کی عمر میں ہی یتیم ہو گئے تھے اور ان کی پرورش ان کے چچا نے کی۔ انہوں نے دس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی قرآن کریم مکمل طور پر حفظ بھی کر لیا اور اس کی تجوید کا علم بھی حاصل کر لیا تھا۔ اپنی پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کی تعلیم انہوں نے جامعہ ازہر سے ملحق 'معهد العلوم الإسلامية' سے حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ ازہر میں عربی زبان و ادب کے شعبہ سے ۱۹۵۴ء میں اپنی گریجویشن مکمل کی۔ ۱۹۵۸ء میں انہوں نے 'معهد الدراسات العربية العالية فی اللغة والأدب' سے ڈپلومہ مکمل کیا۔ ۱۹۶۰ء میں جامعہ ازہر ہی میں کلیہ اصول الدین سے اپنا ایم اے مکمل کیا، جبکہ ۱۹۷۳ء میں اسی کلیہ سے 'الزكاة وأثرها فی حل المشاكل الاجتماعية' کے عنوان سے پی ایچ ڈی مکمل کی۔

خاندان

۱۹۵۸ء میں ایک مصری خاتون 'إسعاد' سے شادی کی اور اس بیوی سے ان کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ دوسری شادی انہوں نے ایک الجزائری خاتون سے اسّی (۸۰) کی دہائی میں کی۔ ان کے تین بچوں نے ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کیا ہوا ہے۔ ان کی ایک بیٹی 'الہام قرضاوی' عالمی شہرت یافتہ نیوکلر سائنسدان ہے اور اس نے فزکس میں پی ایچ ڈی مکمل کی ہے۔

ان کی ایک دوسری بیٹی 'اسہام قرضاوی' نے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کے ایک بیٹے 'عبدالرحمٰن یوسف' مصر کے معروف شاعر اور سیاسی طور پر بھی کافی متحرّک آدمی ہیں۔

عالمی دینی، علمی اور اقتصادی اداروں کی سربراہی

شیخ قرضاوی عالم اسلام کی کئی ایک معروف عالمی فقہ اکیڈمیوں، علمی مجالس اور تعلیمی اداروں کے سربراہ اور رکن رہے ہیں یا تاحال ہیں۔ انہوں نے ۱۹۶۱ء میں قطر کی طرف ہجرت کی اور انہیں وہاں کی شہریت مل گئی۔ ۱۹۷۷ء میں انہوں نے قطر یونیورسٹی میں علومِ اسلامیہ اور علومِ شرعیہ کی فیکلٹی (faculty) کی بنیاد رکھی اور اس کے پہلے ڈین (dean) مقرر ہوئے اور ۱۹۹۰ء تک اس کے ڈین رہے۔ اسی سال انہوں نے قطر میں ہی 'مركز بحوث السنة والسيرة النبوية' کی بنیاد رکھی اور تاحال اس کے مدیر ہیں۔

علاوہ ازیں شیخ قرضاوی یورپین ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے آئرلینڈ میں قائم یورپین فقہ اکیڈمی یعنی مجلس الأوروبی للافتاء والبحوث کے صدر ہیں۔ اس مجلس کے اراکین میں شیخ فیصل مولوی (لبنان)، شیخ حسین محمد حلاوہ (آئرلینڈ)، شیخ ڈاکٹر احمد جاء باللہ (فرانس)، شیخ ڈاکٹر احمد علی الامام (سوڈان)، شیخ مفتی اسمٰعیل کشوفلی (برطانیہ)، استاذ احمد کاظم الراوی (برطانیہ)، شیخ اُنیس قرقاح (فرانس)، شیخ راشد الغنوشی (برطانیہ)، شیخ ڈاکٹر عبداللہ ابن بیہ (سعودی عرب)، شیخ عبدالرحیم الطّویل (سپین)، شیخ عبد اللہ بن علی سالم (موریطانیہ)، شیخ عبد اللہ بن یوسف الجدیع (برطانیہ)، شیخ عبد المجید النجار (فرانس)، شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع (سعودی عرب)، شیخ ڈاکٹر عبد الستار ابوغدۃ (سعودی عرب)، شیخ ڈاکٹر عجیل النشمی (کویت)، شیخ العربی البشری (فرانس)، شیخ ڈاکٹر عصام بشیر (سوڈان)، شیخ علی القرة داغی (قطر)، شیخ ڈاکٹر صہیب حسن احمد (برطانیہ)، شیخ طاہر مہدی (فرانس)، شیخ محبوب الرحمٰن (ناروے)، شیخ محمد تقی عثمانی (پاکستان)، شیخ محمد صدیق (جرمنی)، شیخ محمد علی صالح منصور (متحدہ عرب امارات)، شیخ ڈاکٹر محمد الہواری (جرمنی)، شیخ محمود مجاہد (بلجیم)، شیخ ڈاکٹر مصطفیٰ سیریتش (بوسنیا)، شیخ نہاد عبدالقدوس سفتسی (جرمنی)، شیخ ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ میمان (سعودی عرب)، شیخ یوسف ابرام (سوئٹزرلینڈ) اور ڈاکٹر صلاح سلطان (مصر) شامل ہیں۔

اسی طرح شیخ قرضاوی مصر میں قائم عالمی فقہ اکیڈمی 'مجمع البحوث الاسلامية' کے رکن ہیں۔ کسی دور میں پاکستان سے علامہ یوسف بنوری صاحب بھی اس اکیڈمی کے رکن رہے

ہیں۔اسی طرح شیخ قرضاوی مکّہ مکرّمہ میں قائم رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت فقہی اکیڈمی 'مجمع الفقه الاسلامی' کے بھی رکن ہیں۔

علاوہ ازیں قطر اسلامی بینک (قطر) اور فیصل اسلامی بینک (بحرین) کی شریعہ ایڈوائزنگ کمیٹی کے سربراہ ہیں۔شیخ یوسف قرضاوی سوئٹزرلینڈ میں قائم بینک 'التقویٰ' کے اساسی شیئر ہولڈر اور شریعہ ایڈوائزر رہے ہیں۔امریکہ نے اس بینک کے قیام کو مالیاتی دہشت گردی کا نام دیا اور امیریکن سیکورٹی کونسل نے اس پر القاعدہ کے ساتھ مالی تعاون کا الزام بھی عائد کیا۔ ۲ اگست ۲۰۱۰ء کو یہ الزام اس بینک سے اٹھالیا گیا ہے۔

شیخ قرضاوی آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم 'سنٹر فار اسلامک سٹڈیز' کے ٹرسٹیز میں سے ہیں۔مولانا ابوالحسن علی ندویؒ بھی کسی زمانہ میں اس سنٹر کے صدر رہے ہیں۔علاوہ ازیں افریقہ میں دعوت اسلامی کے فروغ کے لیے قائم منظّم ادارے 'منظمة الدعوة الإسلامية' کے ٹرسٹیز میں سے بھی ہیں۔اس کے علاوہ شیخ کویت میں قائم زکوٰۃ کے عالمی ادارے 'الهيئة الشرعية العالمية للزكاة' کے نائب صدر ہیں۔

وہ کئی سال تک پہلے اسلامی بینک یعنی دوبئی اسلامی بینک کے اعزازی شریعہ ایڈوائزر کے طور پر کام کرتے رہے۔وہ قطر اسلامی بینک' قطر انٹرنیشنل اسلامی بینک' فیصل اسلامی بینک بحرین' تقویٰ بینک سوئٹزرلینڈ کی شریعہ ایڈائزنگ کمیٹی کے صدر بھی ہیں۔اسی طرح وہ فیصل اسلامی بینک مصر کی مینیجنگ کمیٹی کے رکن اور جمعیت اقتصاد اسلامی مصر کے تاسیسی رکن ہیں۔شیخ قرضاوی 'The Message' کی طرح ملین ڈالرز کی کھپت سے بننے والے نئی اسلامک موودی 'Muhammad' کے شریعہ ایڈاوائزر ہیں۔

عالمِ اسلام میں اثر ونفوذ

شیخ قرضاوی عالم اسلام میں بہت گہرا اور بڑا اثر ونفوذ رکھنے والے چند بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ان کا ٹی وی پروگرام 'الشريعة والحياة' عرب دنیا میں بہت ہی معروف پروگرام شمار ہوتا ہے۔ایک اندازے کے مطابق اس پروگرام کو سننے والے افراد کی تعداد تقریباً چار کروڑ ہے۔اس پروگرام کو 'الجزیرۃ' ٹیلی ویژن نشر کرتا ہے۔شیخ قرضاوی اس وقت انگریزی زبان میں فتاوی کی معروف ویب سائیٹ 'اسلام آن لائن' میں صدر مفتی کے طور پر بھی کام کر رہے ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں 'فارن پالیسی' میگزین نے ان بیس افراد میں قرضاوی کو تیسرے نمبر پر کھا جو دنیا بھر میں intellectuals کے طبقہ میں گہرا اثر ونفوذ رکھتے ہیں۔

۸ مئی ۲۰۰۹ء کو جب اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب خاکے شائع کرنے والے ڈنمارک کے اخبار کا ایک نمائندہ 'قطر' میں کسی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آیا تو شیخ قرضاوی نے حکومت قطر پر کڑی تنقید کی کہ انہوں نے کیوں اس صحافی کو قطر میں داخلے کی اجازت دی۔ حکومت قطر نے بعدازاں یہ کہہ کر معذرت پیش کی کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس صحافی کا تعلق اس بدنام زمانہ اخبار سے ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب 'وسائل الأعلام' میں شیخ قرضاوی کے عالم اسلام میں اثر ونفوذ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی مساعی وجدوجہد کی تحسین فرمائی ہے۔

الاخوان المسلمون سے تعلق

ڈریم چینل کو دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ میں نے امام حسن البناء کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجھے بعدازاں 'الاخوان المسلمون' کی قیادت کی بھی پیشکش کی گئی لیکن میں نے ایک جماعت کی نسبت تمام امت کے لیے ایک روحانی پیشوا ہونے کو زیادہ پسند کیا۔مجھے الاخوان سے محبت ہے اور میں انہیں صراط مستقیم سے نزدیک تر گروہ سمجھتا ہوں۔شیخ قرضاوی کو دو مرتبہ الاخوان کی طرف ۱۹۷۶ء اور ۲۰۰۴ء میں صدارت اور قیادت کی پیشکش کی گئی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔

۱۹۴۹ء میں شاہ فاروق کے زمانے میں ان کو اخوان سے تعلق کی وجہ سے قید کیا گیا۔اس کے بعد جمال عبدالناصر کے زمانے میں بھی انہوں نے تین دفعہ جیل کاٹی۔پہلی دفعہ جنوری ۱۹۵۴ء میں جیل بھیجے گئے۔کچھ ہی عرصہ بعد رہا ہو گئے لیکن نومبر ۱۹۵۴ء میں پھر تقریباً ۲۰ ماہ کے عرصہ تک جیل میں رہے۔تیسری مرتبہ ۱۹۶۳ء میں جیل بھیجے گئے۔

انہوں نے 'الإخوان المسلمون سبعون عاما في الدعوة والتربية والجهاد' نامی کتاب لکھی ہے' جس میں انہوں نے اخوان کی ابتدا سے لے کر بیسویں صدی کے اخیر تک اس کی ستر سالہ کاوشوں کا جائزہ لیا ہے۔

دعوتی اور تحریکی کام

شیخ قرضاوی کا کہنا یہ ہے کہ وہ ۱۵ سال کے تھے جب انہوں نے دعوت اور تحریک کا کام شروع کیا' یعنی ان کے دعوتی اور تحریکی کام کی عمر اس وقت ۷۰ سال ہے۔

شیخ قرضاوی متفرق مواقع پر شعر بھی کہتے رہے ہیں۔ان کے یہ اشعار 'نفحات ولفحات' کے عنوان سے ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں۔ذیل میں ہم نمونے کے طور پر ان کے

چند اشعار بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے اخوانی بھائیوں کے ساتھ جیل کے دوران کہے تھے۔ یہ ان کا ایک مکمل قصیدہ ہے جو تقریباً ۳۰۰ اشعار پر مشتمل ہے اور 'ملحمة الإبتلاء' کے نام سے معروف ہے۔ اس قصیدہ کے یہ آخری اشعار ہیں جو ان کے جذبہ ایمانی' فکر کی پختگی اور تحریکی مزاج کا اظہار کر رہے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

تا الله ما الطغيان يهزم دعوة ۔۔۔ يوما وفي التاريخ بريميني
ضع في يدى القيد ألهب أضلعي ۔۔۔ بالسوط ضع عنقي على السكين
لن تستطيع حصار فكرى ساعة ۔۔۔ أو نزع إيماني ونور يقيني
فالنور في قلبي وقلبي في يدى ۔۔۔ ربي...وربي ناصرى ومعيني
سأعيش معتصما بحبل عقيدتي ۔۔۔ وأموت مبتسما ليحيا ديني

''اللہ کی قسم! ظلم واستبداد اس دعوت کو ایک دن کے لیے بھی شکست نہیں دے سکتا اور تاریخ میری اس قسم پر گواہ ہے۔ اگر تم میرے ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دو' میرے سینے کو کوڑوں کی بارش سے آگ لگا دو اور میری گردن چھری پر رکھ دو تب بھی تم ایک لمحے کے لیے بھی میری فکر کو گھیرا نہیں ڈال سکتے اور نہ ہی میرا ایمان اور میرے دل کا یقین ایک گھڑی کے لیے بھی باہر نکال سکتے ہو۔ میرا نور میرے دل میں ہے اور میرا دل میرے رب کے ہاتھ میں ہے...اور میرا رب میرا حامی و مددگار ہے۔ اپنے اپنے عقیدے اور فکر کو مضبوطی سے تھامے ہوئے اپنی زندگی گزاروں گا اور موت کو ہنس کر گلے لگاؤں گا تاکہ میرا دین زندہ رہے۔''

اسرائیل اور امریکہ کے بارے شیخ قرضاوی کا موقف

اسرائیل اور اسرائیلی یہودیوں کے بارے میں شیخ قرضاوی کا موقف بہت ہی سخت ہے۔ شیخ قرضاوی نے 'مجمع الفقه الإسلامي' کے چودھویں اجلاس منعقدہ قطر مؤرخہ ۱۱ تا ۱۶ جولائی ۲۰۰۳ء میں اسرائیلی افواج اور شہریوں دونوں پر خودکش حملوں کو جائز قرار دیا۔ ان کا فتویٰ یہ بھی تھا کہ اسرائیلی خواتین اور بچوں کا بھی خودکش حملوں میں قتل عام جائز ہے کیونکہ ان کے بقول اسرائیل کے شہری (civilians) بھی حربی کفار میں داخل ہیں اور اسرائیل ایک militarised society ہے۔ اسرائیلی بچوں کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ بچے اسرائیلی ریاست کی تربیت کی وجہ سے بڑے ہو کر لازماً حربی کفار ہی بنیں گے' اس لیے اسرائیل میں کیے گئے خودکش حملوں میں ان یہودی بچوں کا قتل ہونا بھی جائز ہے۔

واضح رہے کہ قرضاوی صاحب کا خودکش حملوں سے متعلق یہ فتویٰ صرف اسرائیل کے بارے میں ہے اور ایسے حملوں کی اجازت وہ فلسطین اور اسرائیل کے علاقوں میں ہی دیتے ہیں۔ اس کے برعکس قطر میں ایک بم دھماکے کے بعد انہوں نے ۲۰ مارچ ۲۰۰۵ء کو ایک فتویٰ جاری کیا جس کے مطابق انہوں نے اسلامی ممالک میں غیر مسلم شہریوں پر حملوں کی مذمت کی۔

۱۴/ اپریل ۲۰۰۴ء کو 'اسلام آن لائن' پر شیخ قرضاوی کا یہ فتویٰ جاری ہوا کہ امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کی خریداری میں شامل ہمارا ایک ایک درہم اور دینار ہمارے ہی مسلمان بھائیوں کے سینوں میں گولیوں کی صورت میں واپس کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کی ایڈورٹائزنگ بھی مسلمانوں کے لیے شرعاً جائز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اس وقت دوسرا اسرائیل ہے اور امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ مالی تعاون صیہونیت (Zoinism) کو مالی امداد فراہم کرنا ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب امریکی کار کی موجودگی میں اسی معیار کی جاپانی کار موجود ہے تو پھر امریکی کار کو خریدنا کیسے شرعاً جائز ہو سکتا ہے؟ شیخ قرضاوی امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کی خریداری کو گناہِ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمان صیہونیت کے خلاف ہیں کہ جس کا اسرائیل مدعی ہے' نہ کہ ان یہودیوں کے خلاف جو اصل تورات پر ایمان رکھتے ہیں۔

شیخ قرضاوی نے مئی ۲۰۰۱ء میں اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون کے قطر میں آمد پر کہا کہ ایریل شیرون کو قطر میں داخل نہیں ہونا چاہیے تھا اور جس شخص نے اس ظالم خونی سے مصافحہ کیا تو میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھ ستر مرتبہ دھوئے۔ اسرائیل کے خلاف اس قدر سخت موقف کی بنا پر اسرائیل میں ان کے داخلے پر پابندی عائد ہے۔ اسی طرح ۱۹۹۹ء میں ان کے امریکہ میں داخلے پر بھی پابندی لگائی گئی اور ۲۰۰۸ء میں ان پر برطانیہ میں داخلے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

شیخ قرضاوی اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق کے حامی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام عیسائیوں یا یہودیوں یا بُت پرستوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے منع نہیں کرتا بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والے نہ ہوں یعنی حربی کافر نہ ہوں۔

شیخ قرضاوی اور معاصر جہاد

شیخ قرضاوی سے جب عراق میں امریکہ کے خلاف جہاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ جہاد جائز ہے' بلکہ انہوں نے امریکی افواج کے خلاف مزاحمت کو

اہلِ عراق اور پڑوسی مسلمانوں کے لیے فرضِ عین قرار دیا۔ اس کے بعد ان سے سوال ہوا کہ کیا یہ جہاد عراق میں موجود امریکی شہریوں سے بھی ہوگا؟ تو انہوں نے کہا کہ عراق میں کون سے امریکی شہری موجود ہیں؟ یعنی عراق میں تو سارے امریکی حربی کفار ہیں کیونکہ وہ جنگ ہی کے لیے وہاں آئے ہیں۔ اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے خلیج کے معروف اخبار 'الشرق الأوسط' نے یہ خبر لگائی کہ قرضاوی کے نزدیک امریکی شہریوں کو قتل کرنا جائز ہے اور ان کے نزدیک قتال بھی فرضِ عین ہے۔ شیخ قرضاوی نے اس اخبار کی اس خبر کے بیان کے بعد اپنے موقف کی دوبارہ وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ امریکی شہریوں کو قتل کرنا جائز ہے بلکہ انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ عراق میں کون سے امریکی شہری موجود ہیں؟ یعنی ان کا فتویٰ یہی ہے کہ حربی امریکی کو قتل کرنا جائز ہے' البتہ اس میں اختلاف ہوسکتا ہے کہ کون سا امریکی حربی ہے یا نہیں؟ پس قرضاوی صاحب نے عراق میں موجود تمام امریکیوں کو حربی قرار دیا ہے جیسا کہ وہ اسرائیلیوں کو حربی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح قتال فرضِ عین کے بارے میں انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے فتویٰ میں قتال کا لفظ استعمال نہیں تھا بلکہ میں نے مقاومت یعنی امریکی افواج کے خلاف ہر قسم کی مزاحمت کو ہر مسلمان کے لیے فرضِ عین قرار دیا تھا۔

معروف سعودی عالم دین شیخ عبداللہ بن جبرین کے ایک فتویٰ' کہ مسلمانوں کے لیے ایرانی شیعہ جماعت حزب اللہ کے لیے دعا کرنا یا اس کی مدد کرنا جائز نہیں ہے' کے جواب میں شیخ قرضاوی نے اسرائیل کے خلاف برسرِ پیکار شیعہ جماعت حزب اللہ کی حمایت اور امداد کرنے کا فتویٰ جاری کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ کافر اور ظالم اسرائیلی یہودیوں کے خلاف برسرِ پیکار کلمہ گو بدعتی اہلِ تشیع کے ساتھ تعاون کرنا جائز اور حکمت کا تقاضا ہے۔

شروع میں انہوں نے افغانستان میں بدھا کے مجسمے گرانے پر طالبان پر تنقید کی تو انہیں بُت پرست ہونے کے طعنے بھی دیے گئے۔ بعدازاں طالبان کے ایک وفد سے ملاقات کے بعد انہوں نے اپنے اس موقف پر نظرثانی کرتے ہوئے اسے تبدیل کرلیا۔

شیخ قرضاوی پر معاصر جہاد کے حوالے سے ان کے ایک فتویٰ پر علمائے اسلام کی طرف سے شدید تنقید ہوئی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں شیخ قرضاوی نے کہا تھا کہ امریکی فورسز میں ملازم مسلمان امریکیوں کے لیے امریکی عتاب سے اپنی جان بچانے کی خاطر امریکی فورسز کے ساتھ مل کر افغانستان کے مسلمانوں سے قتال جائز ہے۔ معروف عالم دین اور داعیٔ اسلام صلاح الدین سلطان نے ان کا اس فتویٰ سے رجوع بھی نقل کیا ہے۔

شیخ قرضاوی نے فلسطینی صدر محمود عباس کی غزہ کی جنگ میں شرکت کے ثابت ہونے پر اسے رجم کرنے کا فتویٰ جاری کیا' جس کے جواب میں محمود عباس کی وزارتِ اوقاف کے ائمہ مساجد نے اپنے خطباتِ جمعہ میں شیخ قرضاوی پر خوب چڑھائی کی۔

اکتوبر ۲۰۰۴ء میں دنیا کے تقریباً ۲۵۰۰ کے قریب روشن خیال مسلمان مفکرین نے شیخ قرضاوی کے خلاف ایک قرارداد پاس کرتے ہوئے انہیں 'شیخ الموت' قرار دیا اور ان پر بنیاد پرستی اور عدمِ برداشت کا الزام عائد کیا۔

شیخ قرضاوی کی کتب

شیخ قرضاوی نے تقریباً ہر شعبہ زندگی' عقائد' نظریات' عبادات' معاملات' معاشیات' سیاسیات اور معاشرتی مسائل سے متعلق کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی کئی ایک کتابوں کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ انہوں نے شیخ ازہر محمود شلتوت کی خواہش پر 'الحلال والحرام فی الإسلام' نامی کتاب لکھی۔ کہا جاتا ہے کہ عالم اسلام میں اس کے مقابلے میں شائع ہونے والی کوئی اور کتاب نہیں ہے۔ استاذ محمد مبارک نے اسے اپنے موضوع پر بہترین کتاب قرار دیا۔ شیخ طنطاوی مکہ مکرمہ میں یہ کتاب طلبہ کو سبقاً سبقاً پڑھاتے تھے۔ علامہ البانی نے اس کتاب کی احادیث کی تخریج و تحقیق کی ہے۔ عربی زبان میں اس کے چالیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں انگریزی' جرمن' اردو' ترکی' ملائشین' انڈونیشین' چینی' ہسپانوی' سواحلی اور دیگر کئی ایک زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب کی بعض مباحث پر مستند علماء نے نقد بھی کی ہے۔ معروف سعودی عالم دین شیخ صالح الفوزان کی اس کتاب پر آڈیو نقد بعنوان 'الإعلام فی نقد کتاب الحلال والحرام' درج ذیل ایڈریس سے ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے:

http://www.mediafire.com/?nmyhju2mtm

شیخ قرضاوی کی کتاب 'فقہ الزکوٰۃ' بھی زکوٰۃ کے قدیم اور جدید مسائل پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ مودودیؒ نے اس کتاب کو بیسویں صدی کی بہترین کتاب قرار دیا ہے۔

علامہ قرضاوی کی دیگر معروف کتب میں الشیخ أبو الحسن الندوی کما عرفته ، فوائد البنوك هی الربا الحرام ، الفتویٰ بین الانضباط والتسیب ، فقه الزکوة ، الحلال والحرام فی الإسلام ، ملامح المجتمع المسلم الذی ننشده ، الإیمان والحیاة ، النیة والإخلاص ، الإسلام والعلمانیة وجها لوجه ، الصحوة الإسلامیة وهموم الوطن

العربی والإسلامی، فی فقه الأولویات دراسة جدیدة فی ضوء القرآن والسنة، أولویات الحرکة الإسلامیة فی المرحلة القادمة ، الحیاة الربانیة والعلم ، التوکّل ، مدخل لمعرفة الإسلام ، من أجل صحوة راشدة تجدد الدین وتنهض بالدنیا ، فتاویٰ معاصرة ، الاجتهاد فی الشریعة الإسلامیة ، غیر المسلمین فی المجتمع الإسلامی ، فقه الصیام ، الصحوة الإسلامیة بین الجحود والتطرف ، تاریخنا المفتری علیه ، الإسلام والفن ، الدین والسیاسة ، مع أئمه التجدید ورؤاهم فی الفکر والإصلاح ، نحن والغرب ، فقه اللهو والترویح ، القدس قضیة کل مسلم، بینات الحل الإسلامی وشبهات العلمانیین والمتغربین ، ظاهرة الغلو فی التکفیر ، الصحوة الإسلامیة بین الاختلاف المشروع والتفرق المذموم ، حقیقة التوحید ، الفقة الإسلامی بین الإصالة والتجدید ، شریعة الإسلام صالحة لکل زمان ومکان اور مدخل لدراسة السنة النبویة وغیرہ ہیں۔

آراءاورفتاویٰ

شیخ قرضاوی نے اپریل ۲۰۰۸ء میں قطر میں منعقدہ ایک کانفرنس میں گرین وچ کی بجائے مکّہ مکرمہ کے وقت کو ساری دنیا کے وقت کے لیے معیار بنانے کی رائے بیان کی' کیونکہ مکہ مکرمہ جغرافیائی اعتبار سے دنیا کا اصل مرکز قرار پاتا ہے' جبکہ اس وقت ساری دنیا کے ممالک کا معیاری وقت گرین وچ ٹائم ہے۔

شیخ قرضاوی نے سگریٹ اور تمبا کو نوشی کو خبائث میں سے قرار دیتے ہوئے اسے حرام کہا ہے۔ انہوں نے اس کی حرمت کی بنیاد مال کو آگ لگانا اور صحت انسانی کو نقصان پہنچانا بنایا ہے۔ ڈاکٹر قرضاوی کا کہنا یہ ہے کہ یہ کسی فقیہ یا مفتی کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ بتلائے کہ تمبا کو یا سگریٹ نوشی انسانی صحت کے لیے مفید ہے یا ضرر رساں' بلکہ یہ ڈاکٹرز اور میڈیکل سائنس کے علماء کا منصب ہے اور اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمبا کو نوشی انسانی صحت کے لیے مضر ہے اور کئی ایک موذی امراض کا سبب ہے' لہٰذا یہ حرام ہے' کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں ہر ایسی شے حرام ہے جو انسانی صحت کے لیے مضر ہو۔ پس ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ'' کے حکم قرآنی کے مطابق تمبا کو نوشی حرام ہے۔ اسی طرح حکم قرآنی ''وَلَا تُسْرِفُوْا'' کے مطابق بھی تمبا کو نوشی حرام قرار پائے گی' کیونکہ قرآن نے اسراف کو حرام قرار دیا ہے اور تمبا کو نوشی مال کو آگ لگانے کے مترادف ہے' لہٰذا حرام ہے۔ انہوں نے حدیث مبارکہ ''لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ'' یعنی نہ تو ضرر

اٹھاؤ اور نہ ہی کسی کو ضرر پہنچاؤ' سے بھی اس کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔

اسلامک بینکنگ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں شیخ قرضاوی نے کہا کہ اسلامک بینکنگ کا تجربہ نظریاتی میدان سے عملی میدان کی طرف ایک اچھی پیش رفت اور وقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے ایک دور تھا جس میں یہ سوچنا یا کہنا بھی ناممکن تھا کہ بینک کا ادارہ سود کے بغیر بھی چل سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک ایسا دور آیا جس میں بینک کے سود کی حرمت اور شناعت خوب اچھی طرح اجاگر ہوئی اور اسلامک بینکنگ کے بارے میں نظریاتی مباحث سامنے آنے لگے۔ اس کے بعد ایک تیسرا دور آیا جس میں عملاً اسلامی بینکنگ کا آغاز ہوا۔ انہوں نے کہا ابھی ہم تیسرے دور میں ہیں اور نہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں اور نہ ہی اسلامک بینک یہ کہتے ہیں کہ ان کی یہ بینکنگ سو فی صد اسلامی اور شرعی اصولوں کے مطابق ہے۔ شیخ قرضاوی کے مطابق ابھی چوتھا دور باقی ہے جس میں یہی اسلامی بینکنگ ممکن حد تک شرعی اصولوں کے مطابق ہو جائے گی۔ پس اس اعتبار سے موجودہ اسلامی بینکنگ حقیقی اسلامی بینکنگ کی طرف ایک مثبت پیش رفت ہے اور اس کی اس اعتبار سے حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

انشورنس سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جمہور فقہاء تجارتی اور لائف انشورنس کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور میری رائے میں بھی یہ ممنوع اور ناجائز ہے۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مفکرین' علماء اور سیاسی رہنماؤں کے مجسمے سڑکوں' گھروں یا عوامی مقامات پر نصب کرنا حرام ہے اور اگر یہ مجسمہ کسی ایسے شخص کا ہو جس سے کسی قسم کی عقیدت یا تعظیم بھی وابستہ ہو تو اس کی حرمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کہا کہ صرف بچوں کے کھلونے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

غیر مسلم مغربی اور یورپین ممالک میں رہائش پذیر ہونے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں یہ رہائش اختیار کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے اور اگر مسلمانوں کے لیے ان علاقوں میں رہائش پذیر ہونا مطلقاً حرام ہوتا تو وہاں اسلام کیسے پھیلتا؟ یا پھیلے گا؟ شیخ قرضاوی نے کہا کہ جو مسلمان مغربی معاشروں میں اپنے' اپنے بچوں اور اپنے خاندان کے دین کی حفاظت نہیں کر سکتے تو انہیں مسلمان ممالک کی طرف واپس ہجرت کر جانی چاہیے۔

اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی جائز ہے۔ بعض حنفی علماء نے اس

مسئلے میں حربی اور غیر حربی عورتوں کا فرق بھی کیا ہے۔ شیخ قرضاوی نے اس فرق کی تحسین کرتے ہوئے اس رائے کو اختیار کیا ہے کہ حربی یہودی یا عیسائی عورت سے شادی جائز نہیں ہے' چاہے وہ پاکدامن ہی کیوں نہ ہو جبکہ غیر حربی پاکدامن عورت سے شادی جائز ہے۔ شیخ قرضاوی نے اسرائیلی یہودی عورت سے شادی مطلقاً ناجائز قرار دی ہے کیونکہ ان کی نظر میں اسرائیل میں سب حربی کفّار ہیں۔

امریکہ میں مَردوں کی امامت کروانے والی بدنام زمانہ خاتون امینہ ودود کے فتنہ کے پیدا ہونے کے بعد عورتوں کی امامت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اُمّت مُسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں پہلی دفعہ اس خاتون نے یہ کام کیا ہے کہ مردوں کو امامت کروائی ہے اور جمعہ کا خطبہ بھی دیا ہے۔ انہوں نے کہا فرائض اور جمعہ کی نماز کی امامت صرف مردوں کے لیے ہے۔ ہاں! اگر صرف عورتیں ہوں جیسا کہ تراویح وغیرہ کی نماز ہے تو وہاں عورت بھی امامت کروا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آٹھوں مذاہب و مسالک کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کے لیے فرائض کی امامت جائز نہیں ہے۔

شیخ قرضاوی نے ایک سوال کے جواب میں عورت کے لیے ہاتھ' پاؤں اور چہرے کے علاوہ سارے جسم کو ستر قرار دیا ہے اور اس کے ڈھانپنے کو واجب اور اس کے دیکھنے کو حرام کہا ہے' لیکن ان کے بقول عورت کا چہرہ اس کے ستر میں داخل نہیں ہے' لہٰذا عورت کے لیے اپنا چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً یا کبھی کبھار کسی عورت کے ہاتھ' پاؤں یا چہرے پر بغیر شہوت کے نظر ڈال لیتا ہے تو ایسی نگاہ بھی جائز ہے' لیکن اگر اس میں شہوت یا تلذّذ شامل ہو جائے تو اس کا دیکھنا بھی جائز نہ ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام میں جس نظر سے منع کیا گیا ہے وہ کسی عورت کے ہاتھ' پاؤں یا چہرے پر ایسی نظر ڈالنا ہے جو مسلسل ہو یا بار بار ہو یا دیدے پھاڑ کر دیکھنا ہو یا شہوت کے ساتھ ہو یا فتنہ پیدا کرنے والی ہو۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ عورت کے چہرے پر مسلسل یا تکرار کے ساتھ نظر ڈالنا شہوت اور فتنے کا سبب ہے لہٰذا ممنوع ہے۔ ایسی نظر کے بارے میں شیخ قرضاوی شاعر کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نظرة فابتسامة فسلام فكلام فموعد فلقاء

''پہلے نظر پڑتی ہے' پھر مسکراہٹ کا تبادلہ ہوتا ہے اور پھر سلام دعا ہوتی ہے۔ پھر گفتگو کا دور چلتا ہے پھر تاریخ (date) طے ہوتی ہے اور پھر ملاقاتیں شروع ہو جاتی ہیں۔''

تنہائی کی ان ملاقاتوں کے بعد کیا ہوتا ہے' اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

عورت کا اپنے گھر والوں کی اطلاع اور مرضی کے بغیر اپنے کسی عاشق یا دوست سے نکاح کر لینے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ طرزِ عمل درست نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں ایسے نکاح کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے جس میں عورت کی رضامندی بھی حاصل ہو اور اولیاء کی بھی۔ کسی بھی نکاح میں دونوں کی رضامندی شرعاً مطلوب ہے لہٰذا نکاح میں لڑکی اور ولی دونوں کی رضامندی ہونی چاہیے۔ انہوں نے ایک ایسی لڑکی کو جو اپنے اولیاء کی مرضی کے بغیر کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی تھی اور اس سے نکاح کرنے کا معاہدہ بھی کر چکی تھی' نکاح سے روک دیا اور اپنے اولیاء کی مرضی کے بغیر لڑکی کے اس تصرّف کو باطل قرار دیا۔

جہاد سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جہاد کی سب سے پہلی قسم وہ جہاد ہے جو مسلمان اُمت میں مغربی استعمار کے باقیات اجنبی حکمرانوں سے آزادی کے لیے ہونا چاہیے۔ جہاد کی دوسری قسم انہوں نے کشمیر' عراق اور شیشان وغیرہ جیسے مقبوضہ علاقوں میں جہاد کو قرار دیا جس میں غیر مسلم حکمرانوں سے مسلمان معاشروں کو آزاد کروانے کے لیے جہاد کرنا ایک دینی ذمہ داری ہے۔ انہوں نے کہا جہاد کی ایک قسم اقتصادی جہاد بھی ہے اور اس سے مراد امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ ہے۔ ان کے نزدیک موجودہ حالات میں امریکی اور اسرائیلی مصنوعات کا استعمال حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

بینکوں کے سود سے متعلق ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ بینکوں کا سود حرام ہے اور اس کا اپنی ذات کے لیے استعمال کرنا بھی حرام ہے' لیکن اس سود کو بینک کے پاس چھوڑنا بھی حرام ہے' کیونکہ یہ برائی میں تعاون اور سودی بینکنگ کو تقویت دینے کا باعث بنتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ غیر مسلم ممالک میں سودی بینکوں میں سود چھوڑنے کی حرمت تو کئی گنا بڑھ جاتی ہے' کیونکہ کئی ایک مغربی ممالک کے بینک مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی سودی رقم عیسائی مشنریوں کو دے دیتے ہیں اور مسلمانوں کا چھوڑا ہوا یہی سود مسلمانوں ہی کو عیسائی بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو اپنی رقوم پر بینکوں سے سود وصول کرنے کے بعد اسے غرباء' یتیموں' مساکین' اسلامی مراکز کی تعمیر' دعوتِ اسلامی کے کاموں' اسلامی کتابوں اور لٹریچر کی نشر و اشاعت اور دیگر خیراتی کاموں میں لگا دینا چاہیے۔ انہوں نے اس فتویٰ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا کہ یہ مال کمانے والے کی نسبت سے خبیث اور حرام ہوتا ہے نہ کہ فی نفسہٖ حرام ہے۔ یعنی بعض اشیاء فی نفسہٖ یا بذاتہٖ حرام ہیں' جیسا کہ شراب' سور وغیرہ' جبکہ بعض اشیاء اصلاً تو حلال ہیں لیکن کسی خارجی سبب سے حرام ہوئی ہیں' جیسا کہ سود کی رقم۔ رقم یا

مال بذاتہ حلال شے ہے لیکن ایک خارجی سبب سے حرام ہو گیا ہے اور وہ سبب کمانے والا کا حرام فعل ہے۔ پس جب وہ سبب نہ رہے گا تو اس کا حکم بھی نہ رہے۔ لہٰذا سود کا مال اس کے کمانے والے کے لیے تو اس کے فعل حرام کی وجہ سے حرام ہے لیکن کسی دوسرے کے لیے اس کی نسبت تبدیل ہو جانے سے یہ اپنی اصل یعنی حلّت کی طرف لوٹ آئے گا۔ ان کے نزدیک سودی بینکوں سے حاصل ہونے والے سود کی چار صورتیں ممکن ہیں: ایک یہ کہ انسان یہ سودی رقم اپنی ذات کے لیے استعمال کر لے اور یہ حرام ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ سودی رقم بینکوں کے پاس رہنے دے اور یہ بھی حرام ہے' کیونکہ یہ برائی میں تعاون اور سودی نظام کو تقویت دینا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس مال کو لے کر آگ لگا دے اور یہ بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ اتلافِ مال شرعاً جائز نہیں ہے۔ چوتھی صورت اس کی یہ نکلتی ہے کہ اس مال کو خیر کے کاموں میں لگا دے اور اسی کے وہ قائل ہیں۔

راقم الحروف کے بعض شیوخ کی رائے یہ ہے کہ اس کی ایک پانچویں صورت بھی ہو سکتی ہے کہ بینک سے یہ سودی مال لے لینا چاہیے اور کسی ایسی جگہ لگا دینا چاہیے جہاں پہلے ہی حرام کا مال لگ رہا ہو' مثلاً کسی شخص کا بچہ اغوا ہو گیا ہے اور ڈاکو تاوان میں ۲۰ لاکھ مانگ رہے ہیں۔ اب وہ تو حرام کھانے کو تیار بیٹھے ہیں تو انہیں ایسی سودی رقم بطور تاوان دی جا سکتی ہے۔

شیخ قرضاوی ہی کی رائے میں احتیاط اور جواز کی ایک اور صورت بعض اہل علم نے یوں بھی بیان کی ہے کہ بینکوں سے حاصل کردہ سودی رقم غرباء' مساکین وغیرہ کو تو دی جائے لیکن یہ رقم ان کے کھانے اور لباس میں استعمال نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں استعمال ہو' مثلاً کسی غریب کو کوئی مکان بنوا کر دے دیا جائے یا کسی غریب کو کوئی سائیکل یا ریڑھی وغیرہ لے دی جائے یا گاڑی کے کرایہ وغیرہ میں اس کو ایڈجسٹ کر لیا جائے۔ اسی طرح دعوت و جہاد میں اسی رقم سے اسلحہ وغیرہ خرید کر دشمن کے خلاف استعمال کیا جائے یا کتابیں اور سی ڈیز نشر کر کے اسلام کے خلاف نظریاتی جنگ کا مقابلہ کیا جائے' وغیرہ۔

اہلِ تشیع سے متعلق ایک سوال کے جواب میں شیخ قرضاوی نے اثنا عشریہ یا امامیہ فرقہ کو ایک بدعتی فرقہ قرار دیا ہے اور انہیں فرقہ ناجیہ سے خارج کہا ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اہل تشیع کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک اہل تشیع کے محققین کتاب اللہ کو مکمل کتاب مانتے ہیں اور کلمہ گو ہیں' لہٰذا اہل تشیع کافر نہیں ہیں۔ شیخ قرضاوی کا کہنا یہ ہے کہ اہل تشیع کے بارے میں یہ اہلِ سنت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ وہ انہیں بدعتی فرقوں میں تو شمار کرتے ہیں لیکن بطور فرقہ کافر قرار نہیں دیتے۔ اہل تشیع کو بدعتی قرار دینے پر ایرانی علماء نے ان پر شدید نکتہ چینی کی ہے کیونکہ شیخ عالم

اسلامی کے اتحاد کے لیے قائم کی جانے والی عالمی مجلس کے صدر بھی ہیں۔ شیخ قرضاوی عقائد میں اشعری مسلک کی طرف میلان رکھتے ہیں اگرچہ بعض مسائل میں اشعریہ پر نقد بھی کرتے ہیں۔

۲۰۰۸ء میں شیخ قرضاوی نے ادویات اور اشیائے خورد و نوش میں ۰٫۵ فی صد الکوحل کے استعمال کو جائز قرار دیا کیونکہ ان کے بقول اتنی کم مقدار میں الکوحل کا استعمال بطور اجزاء (ingredients) کے نہیں ہوتا بلکہ تخمیر (fermentation) کے لیے ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ' معروف سعودی عالم دین شیخ صالح العثیمین اور سعودی عرب میں کبار علماء کی فتویٰ کمیٹی کا بھی یہی موقف ہے۔

شیخ قرضاوی فرشتوں' جنات' عرش' کرسی' عذابِ قبر' پل صراط' میزان' حوضِ کوثر' نزولِ عیسیٰؑ' خروجِ دجال' خروجِ مہدی' معجزات' کرامات اور قیامت کی دیگر نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسائل میں ان کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے۔ شیخ قرضاوی کتاب کھول کر یا لائنیں کھینچ کر استخارہ نکالنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ قبر پرستی' تعویذ گنڈا' ارواح کو حاضر کرنے' غیر اللہ کی قسم اٹھانے' غیر اللہ کے لیے نذر ماننے یا ذبح کرنے کی بھی مذمت کرتے ہیں۔

شیخ قرضاوی فلاسفہ' معتزلہ' غالی صوفیاء' اہل تشیع امامیہ اور خوارج کی مذمت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ حلول' اتحاد' خرافات اور بدعات پر مشتمل تصوف کے حامی نہیں ہیں' لیکن قرآنی اور نبوی منہج کے مطابق سنی تصوف کے وہ قائل ہیں کہ جس کے شیوخ حضرت حسن بصری' فضیل بن عیاض' ابراہیم بن ادھم اور جنید بغدادی رحمہم اللہ وغیرہ تھے۔ شیخ قرضاوی فضائل اعمال میں ضعیف احادیث سے استفادہ کے قائل ہیں لیکن حلال و حرام میں نہیں۔

شیخ قرضاوی حدیث و سنّت کی حجیّت کے قائل اور پرزور مدّعی ہیں لیکن سنت کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ سنّت دو قسم کی ہے' ایک تشریعی یعنی جو ہمارے لیے شریعت ہے اور ایک غیر تشریعی ہے یعنی جو ہمارے لیے شریعت نہیں ہے' جیسا کہ طب سے متعلقہ احادیث ہیں۔ انہوں نے احکام سے متعلقہ بعض احادیث کو بھی اللہ کے رسول ﷺ کے دور کے ساتھ خاص قرار دیا ہے' جیسا کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہ ہونے کی روایت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ کے لیے تھی اور آج گھوڑوں میں زکوٰۃ ہو گی۔

شیخ قرضاوی جمہوریت کے قائل ہیں لیکن وہ مغربی جمہوریت کے ناقد ہیں۔ مغربی جمہوریت کو اسلام کے مطابق بنانے کے لیے جو شرائط وہ تجویز کرتے ہیں' اس کے بعد وہ جمہوریت اسلام کا شورائی نظام بن جاتی ہے' اگرچہ قرضاوی اسے پھر بھی جمہوریت ہی کا نام

دیتے ہیں۔ بعض اہلِ علم نے ان پر اس پہلو سے تنقید کی ہے کہ وہ جمہوریت کے قائل ہیں۔ شیخ قرضاوی کے دفاع میں بعض دوسرے اہل علم کا کہنا یہ بھی ہیکہ شیخ نے جمہوریت کو مسلمان بنانے کے لیے جو شرائط عائد کی ہیں' ان کی روشنی میں اسلام کے شورائی نظام اور شیخ قرضاوی کی پیش کردہ جمہوریت میں سوائے نام کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

شیخ قرضاوی اضطراری حالت اور فتنے کے پیدا نہ ہونے کی صورت میں کسی مرد کے عورت کے ساتھ مصافحہ کو جائز سمجھتے ہیں۔

شیخ قرضاوی نے موجودہ زمانے میں ہوائی جہاز کے سفر کے پُرامن ہونے کی وجہ سے عورت کے لیے بغیر محرم کے حج اور عمرہ کو جائز قرار دیا ہے اور اس فتویٰ کی بنیاد اس مشہور روایت کو بنایا ہے جس میں اس چیز کا تذکرہ ہے کہ ایک عورت صنعاء سے مدینے تک اکیلی سفر کرے گی اور اسے کسی چیز کا خوف اور ڈر نہ ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ازواجِ مطہرات ؓ بغیر محرم کے حج اور عمرہ کر لیتی تھیں اور صحابہ ؓ ان پر نکیر نہ فرماتے تھے لہٰذا سفر کے پرامن ہونے کی صورت میں عورت کے لیے اکیلے حج اور عمرہ جائز ہے۔ اسی سے ملتا جلتا فتویٰ مالکیہ اور شوافع کے ہاں بھی موجود ہے۔

شیخ قرضاوی نے علم نافع اور عمل صالح کے حصول کی خاطر مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو چھ عدد شرائط کے ساتھ جائز اور شرعی مطلوب قرار دیا ہے۔

اسی طرح شیخ قرضاوی نے موسیقی سننے کو بھی جائز قرار دیا ہے اور اس کے حرام کہنے والوں کے دلائل پر نقد پیش کیا ہے۔

شیخ قرضاوی نشے اور شدید غصے کی حالت میں طلاق کے معاملے میں' کہ جس میں انسان اپنے حواس سے باہر ہو جائے' ان فقہاء کے قول کو اختیار کرتے ہیں جو ان حالات میں طلاق کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں اور طلاق کے اکثر مسائل میں امام ابن تیمیہؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔

ناقدین

شیخ قرضاوی پر نقد کرنے والوں میں کئی طرح کے لوگ ہیں۔ پہلے نمبر پر تو سلفی اہل علم ہیں جو شیخ قرضاوی کو اشعریت کی طرف میلان' اہل تشیع کی تکفیر نہ کرنے' حجاب کے بارے میں نرم موقف اختیار کرنے اور فتویٰ کے اجراء میں تساہل اور سہولت کا منہج اختیار کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ شیخ سلیمان بن صالح الخراشی نے 'القرضاوی فی المیزان' کے نام سے ایک کتاب شیخ

قرضاوی کی توصیف اور تردید میں لکھی ہے۔ ہم نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اکثر مقامات پر شیخ قرضاوی پر الزامات لگاتے ہوئے ان کی عبارتوں سے کھینچ تان کر وہ مفہوم برآمد کیا گیا ہے جو شاید شیخ قرضاوی کی مراد نہ ہو۔ بعض مقامات پر شیخ سلیمان کی نقد درست بھی ہے' جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ شیخ قرضاوی جنات کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن انسانوں پر جنات کے وارد ہونے یا انسانوں کی زبانی جنات کے کلام کرنے یا انسانوں پر جنّات کے غالب آنے کے انکاری ہیں' حالانکہ یہ بات صحیح روایات اور مشاہدے سے ثابت ہے۔

جہادی تنظیمیں' امریکی افواج میں شامل مسلمان فوجیوں کے افغانستان میں لڑنے کو جائز قرار دینے کے حوالے سے' شیخ قرضاوی کے فتویٰ پر نقد کرتی ہیں۔ ہم نے شیخ قرضاوی کے اس تفصیلی فتویٰ کا مطالعہ کیا ہے اور ہمارے خیال میں یہ فتویٰ اس قابل نہیں ہے کہ اسے کوئی علمی رائے قرار دیا جا سکے چہ جائیکہ اس کی اتباع کی جائے کیونکہ نہایت ہی سطحی دلائل پر اس فتویٰ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگر تو شیخ قرضاوی کا اس فتویٰ سے رجوع ثابت ہے' جیسا کہ بعض اہل علم نے نقل کیا ہے' تو یہ فتویٰ اسی قابل تھا کہ اس سے رجوع کیا جاتا' اور اگر ایسا رجوع ثابت نہیں ہے تو اس فتویٰ پر نقد وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔

غالی صوفیاء' قبر پرستی' غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز' غیر اللہ کے ذبح کرنے وغیرہ کے خلاف فتویٰ دینے کی وجہ سے شیخ قرضاوی کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ ہمیں ان مسائل میں تصوّف کے نام پر شرک و بدعات اور خرافات کو رواج دینے پر شیخ قرضاوی کی تنقید سے اتفاق ہے۔

ایرانی علمائے اہل تشیع' شیخ قرضاوی کو امامیہ فرقہ کو بدعتی اور فرقہ ناجیہ سے خارج قرار دینے پر تنقید کرتے ہیں۔

مسلمان معاشروں میں رہائش پذیر سیکولر طبقہ شیخ قرضاوی کے جہاد اور تحریک سے متعلقہ فتاویٰ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے انہیں شدت پسند اور بنیاد پرست قرار دیتا ہے۔

مغربی مفکرین' صیہونیت' اسرائیل اور امریکہ کے حوالے سے شیخ قرضاوی کے بیانات کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔

بین الاقوامی انعامات

شیخ قرضاوی کو ان کی دینی' علمی' ثقافتی اور دعوتی سرگرمیوں کی وجہ سے کئی ایک عالمی انعامات سے بھی نوازا گیا ہے' جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم ذیل میں کر رہے ہیں:

۱) انہیں ۱۹۹۱ء میں اسلامی معاشیات میں خدمات کے بدلے 'اسلامک ڈویلپمنٹ بینک پرائز' دیا

گیا۔۲) ۱۹۹۴ء میں علوم اسلامیہ میں خدمات کے عوض 'شاہ فیصل انٹرنیشنل پرائز' دیا گیا۔ ۳) ۱۹۹۷ء میں برونائی کے سلطان نے انہیں 'اسلامک جیورس پروڈنس' میں خدمات کے عوض انعام دیا۔۴) ۱۹۹۹ء میں انہیں ثقافتی اور سائنسی خدمات کے نتیجے میں 'سلطان العویس' انعام دیا گیا۔۵) ۲۰۰۰ء میں انہیں 'دوبئی انٹرنیشنل ہولی قرآن ایوارڈ' دیا گیا۔۶) ۲۰۰۸ء میں علوم اسلامیہ میں خدمات کے عوض حکومت قطر نے ان کے لیے خصوصی انعام جاری کیا۔۷) ۲۰۰۹ء میں ملائیشیا حکومت نے انہیں 'ہجرت نبویہ' ایوارڈ دیا۔۸) ۲۹ ستمبر ۲۰۱۰ء کو شاہ اردن نے انہیں خصوصی انعام عطا کیا۔

خلاصۂ کلام

شیخ قرضاوی کے فتاویٰ' کتب اور دینی خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلاشبہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے مجتہد کے درجہ پر فائز ہیں' اگرچہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے ساتھ کسی مسئلے میں اختلاف نہیں کیا جاسکتا یا وہ تنقید سے بالاتر ہستی ہیں۔ اہل علم نے ان کے بعض فتاویٰ پر نقد کی ہے اور ہمارے خیال میں یہ نقد ایسی ہی ہے جیسا کہ امام شافعی' امام ابوحنیفہ پر اور امام محمد' امام مالک رحمہم اللہ پر کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن حزم' اہل تقلید اور اہل تقلید ظاہریہ پر یا محدثین' اہل الرائے پر اور اہل الرائے' محدثین پر کرتے ہیں۔ ایسی نقد میں اگر گروہی عصبیت' مذہبی تنافر' شخصی تذلیل نہ ہو اور یہ باہمی افہام وتفہیم کے لیے ہو تو یہ شریعت کا مطلوب ومقصود ہے۔ کسی ایک عالم دین پر دوسرے عالمِ دین کی نقد کا یہ لازمی مطلب نہیں ہوتا کہ وہ عالم دین کوئی متنازع شخصیت بن گیا ہے۔ اگر کسی عالم دین پر کسی دوسرے عالم دین کی نقد ہونے کو اس کے متنازع ہونے کی دلیل بنالیا جائے تو عالمِ اسلام میں چودہ صدیوں میں کوئی ایک بھی ایسا عالم دین نہ گزرا ہوگا جو متنازع نہ ہو یا جس کی آراء سے دوسرے اہل علم کو اختلاف نہ رہا ہو۔

ہم شیخ قرضاوی کی علمی' فقہی' دعوتی' تحریکی اور تدریسی خدمات کی قدر اور تحسین کرتے ہیں اور ان کی شاذ آراء میں مثبت علمی مکالمے اور مباحثے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں شیخ قرضاوی کو بعض فتاویٰ کے اجراء میں تساہل یا تشدد کی وجہ سے ان پر متجدد یا بنیاد پرست کا لیبل لگانا درست نہیں ہے' بلکہ وہ ہر مسئلے میں اعتدال کی تلاش کے خواہش مند رہتے ہیں۔ اب یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے کہ کسی مسئلے میں وہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔

فتاویٰ کے اجرا میں قرضاوی آسان رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے اس منہج کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ اگر تو یہ منہج نصوص کی حد تک ہو یعنی نصوص سے ثابت شدہ مختلف آراء میں آسان

رائے کے مطابق فتویٰ جاری کر دیا جائے تو یہ شرعی مطلوب ومقصود ہے' جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے صحیح روایت میں یہ بات ثابت ہے کہ جب آپ کو دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا' تو آپ آسان کو اختیار کرتے تھے جبکہ دونوں چیزیں جائز ہوتی تھیں۔ اور اگر یہ آسانی فقہاء کی مختلف آراء میں تلاش کی جائے تو مذموم ہے' یعنی کسی بھی شخص کے لیے یہ درست نہیں کہ فقہاء کی مختلف آراء میں سے آسان رائے کو صرف اس کے آسان ہونے کی وجہ سے اختیار کر لے سوائے اس کے کہ کوئی عالم دین ان مختلف فقہی آراء کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے قرآن وسنّت کے دلائل کی بنیاد پر کسی رائے کو ترجیح دے اور وہ آسان رائے ہو تو یہ عمل جائز ہے۔ اگر یہ عمل کسی ایک ہی فقہ میں مروی مختلف آراء میں ترجیح دینے کی صورت میں ہو تو فقہائے حنفیہ اسے 'اجتهاد فی المذهب' کا نام دیتے ہیں اور اگر ایک سے زائد مذاہب کی آراء میں ہو تو اسے 'اجتهاد فی المذاهب الإسلامية' کا نام دیا جاسکتا ہے۔ شیخ یوسف قرضاوی اسے اجتہاد انتقائی کا نام دیتے ہیں۔ شیخ قرضاوی کے بعض فتاویٰ میں یہ بات بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ وہ نصوص کے علاوہ بعض اوقات فقہاء کے مختلف اقوال میں بھی سہولت کے پہلو کو ترجیح دینا شروع کر دیتے ہیں اور اس ترجیح کی بنیاد کسی نص یا شرعی دلیل پر نہیں رکھتے ہیں۔ شیخ قرضاوی کا یہ منہج درست نہیں ہے اگرچہ ایسا انہوں نے چند ایک مقامات پر ہی کیا ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ مصافحہ' موسیقی کا جواز' خواتین کے ستر وحجاب اور مرد وزن کے اختلاط کے بارے میں شیخ قرضاوی کی آراء درست نہیں ہیں' ان میں نکتہ رسی تو ہے لیکن نصوص کا احصاء نہیں ہے۔ شیخ قرضاوی نے بہت سی نصوص کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ فتاوی جاری کیے ہیں۔ فتاویٰ کے اجراء میں شیخ قرضاوی میں یہ بھی ایک کوتاہی ہے کہ ان میں فقہات اور نکتہ رسی تو خوب ہے لیکن سعودی علماء کی طرح نصوص کا احصاء نہیں کرتے اور بعض اوقات اپنے فتویٰ کی بنیاد بہت سی نصوص کو نظر انداز کرتے ہوئے چند ایک نصوص پر رکھتے ہیں۔

مصادر ومراجع

۱۔ القرضاوی فی المیزان' سلیمان بن صالح الخراشی' دار الجواب' الریاض

2-www.qaradawi.net/

3-en.wikipedia.org/wiki/Yusuf_al-Qaradawi

4-http://ar.wikipedia.org

اعلانِ داخلہ برائے درجہ اولیٰ (درسِ نظامی) و نہم (9th) کلاس

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام
دینی و عصری علوم کی منفرد دانش گاہ

کلیّۃ القرآن (قرآن کالج) لاہور

میں ان طلبہ کے لیے
جو مڈل کے امتحان سے فارغ ہو چکے ہیں، اس سال 15 مارچ سے خصوصی کلاسز
کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ یہ خصوصی کلاسز رمضان المبارک تک جاری رہیں گی

نشستیں محدود ہیں

خصوصی کورس میں داخلہ "پہلے آیئے، پہلے پایئے" کی بنیاد پر ہوگا۔

نصاب

درجہ اولیٰ اور 9th کلاس کی تیاری کے لیے مندرجہ ذیل مضامین کی تدریس ہوگی:

1 تجوید القرآن　2 عربی زبان　3 ریاضی　4 اردو
5 انگلش　6 نحو　7 صرف　8 خصوصی تربیتی لیکچرز

کلاسز کا آغاز 15 مارچ 2011ء سے ہوگا
خواہش مند طلبہ داخلہ فارم کے ساتھ والد سرپرست کے شناختی کارڈ کی کاپی
منسلک کر کے 14 مارچ 2011 تک کالج دفتر میں جمع کرا دیں

ہاسٹل میں رہائش کی سہولت موجود ہے

کلیۃ القرآن: (قرآن کالج) 191 اتاترک بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 042-35833637
ذیلی دفتر: قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-35869501

وقت کے تقاضوں کی تکمیل...

ہمدرد ایک صدی سے زیادہ نہ صرف آپ کے دکھ اور تکلیف میں فرحت و تسکین بخش رہا ہے بلکہ آپ کا ہمدم اور خیر خواہ بھی ہے۔ انسانیت کی خدمت اور پرورش کے لئے نہایت وسیع اقسام کی ہربل اور طبی مصنوعات موجود ہیں، جو صحت بخش ہونے کے ساتھ شفا بخش بھی ہیں۔

ہمدرد اس دور کے تقاضوں کی تکمیل، ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے کرنے کے لئے سرگرم کار ہے۔

صحتِ انسانی کی بقاء اور بیماریوں کے اس سفر کے ساتھ ساتھ "ہمدرد" نے انسان دوست ادارے کی حیثیت سے تعلیم اور ثقافت کے فروغ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2008 & ISO 22000 2005 CERTIFIED

Al-Majeed, Hamdard Centre, Nazimabad No. 3, Karachi-74600, Pakistan. Tel: (+9221) 36616001-4, Fax: (+9221) 36611755, Email: headoffice@hamdard.com.pk
Website: www.hamdard.com.pk